ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

# تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ




پان والی کوٹھی، دُودھ پور، علی گڑھ
۲۰۲۰۰۱

25.4.96

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا سہ ماہی ترجمان

# تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اپریل ——— جون ۱۹۹۶ء


—: ایڈیٹر :—

سیّد جلال الدّین عمری



پان والی کوٹھی دودھ پور علی گڑھ

۲۰۲۰۰۱

# سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ

جلد ۱۵ شمارہ ۲

اپریل ـــــــــ جون ۱۹۹۶ء

ذی قعدہ ۱۴۱۶ھ ـــــــــ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

## زرتعاون

| | | | |
|---|---|---|---|
| اندرون ملک | ـــــــــ | فی شمارہ | ۲۰ روپیے |
| ـــــــــ | ـــــــــ | سالانہ | ۷۵ روپیے |
| ـــــــــ | لائبریری وادارے | سالانہ | ۱۰۰ روپیے |
| بیرون ملک | ـــــــــ (انفرادی) | " | ۳۵۰ روپیے |
| ـــــــــ | ـــــــــ (ادارے) | " | ۵۰۰ روپیے |
| پاکستان | ـــــــــ (انفرادی) | " | ۱۵۰ روپیے |
| ـــــــــ | ـــــــــ (ادارے) | " | ۲۰۰ روپیے |

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے انٹرنیشنل پرنٹنگ پریس علی گڑھ کے لیے نازیہ پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپوا کر ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی دودھ پور علی گڑھ سے شائع کیا

# فہرست مضامین

## حرفِ آغاز


| | | |
|---|---|---|
| مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات | سید جلال الدین عمری | ۵ |


## تحقیق وتنقید


| | | |
|---|---|---|
| خواب کی دینی حیثیت | ڈاکٹر غلام قادر لون | ۱۸ |
| عہد وسطیٰ کا ہندوستان عرب مورخین کی نظر میں | پروفیسر اقتدار حسین صدیقی | ۴۱ |


## بحث ونظر


| | | |
|---|---|---|
| اہل کتاب۔ مسلمانوں کے لیے نمونہ عبرت | ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی | ۵۲ |
| قرآن کا نظم اس کا ایک معجزہ | ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی | ۷۶ |


## سیر وسوانح


| | | |
|---|---|---|
| امام علی بن حمزہ کسائیؒ اور ان کی علمی ودینی خدمات | جناب محمد الیاس الاعظمی | ۹۵ |


## تعارف وتبصرہ


| | | |
|---|---|---|
| عہد نبوی کا نظام حکومت | ڈاکٹر منور حسین فلاحی | ۱۱۹ |

# اس شمارہ کے لکھنے والے

۱۔ ڈاکٹر غلام قادر لون
حدی پورہ (رفیع آباد) بارہمولہ ۔ کشمیر

۲۔ پروفیسر اقتدار حسین صدیقی
صدر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۳۔ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی
رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

۴۔ ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی
لکچرر شعبۂ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۵۔ جناب محمد الیاس الاعظمی
شبلی کالج ۔ اعظم گڑھ

۶۔ ڈاکٹر منور حسین فلاحی
استاذ شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

خوش نویس :۔
ابن سبوح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات

سید جلال الدین عمری

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ غیر مسلموں اور مسلمانوں کے تعلقات کو بہتر اور مضبوط بنانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کے درمیان شادی بیاہ کے رشتے قائم ہوں، تاکہ آپس میں جو تہذیبی دوری اور بیگانگی ہے وہ ختم ہو اور وہ ایک دوسرے کے کلچر اور تہذیب سے قریب ہوں اور اسے اختیار کر سکیں۔ اسلام اس انداز فکر کا مخالف ہے۔ اس کے نزدیک جن مذاہب کے عقائد اور نظریات میں بنیادی اختلاف ہے ان کے ماننے والوں کا ازدواجی رشتوں میں جڑنا صحیح نہیں ہے۔ ان رشتوں کو اس نے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔ سورہ ممتحنہ میں ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ | اے ایمان والو! جب تمہارے پاس |
| الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ | ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم |
| اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ | ان کا امتحان لے لو، ان کے ایمان کو اللہ |
| عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا | خوب جانتا ہے اگر تمہیں وہ ایمان والی |
| تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ | معلوم ہوں تو انھیں کفار کے پاس واپس |
| حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ | مت بھیجو۔ نہ تو وہ عورتیں کافروں کے لیے |
| لَهُنَّ ۭ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ | حلال ہیں اور نہ وہ کافر ان کے لیے حلال |
| وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ | ہیں اور ان کافروں نے جو کچھ (مہر) خرچ |
| اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ | کیا ہو وہ انھیں ادا کر دو۔ ان عورتوں سے |
| وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ | ان کا مہر دینے کے بعد نکاح کرنے میں تم |
| وَاسْـَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔـلُوْا | پر کوئی گناہ نہیں ہے اور تم کافر عورتوں کو |

مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ (الممتحنہ ۱۰-۱۱)

کو اپنے نکاح میں روکے مت رکھو۔ جو تم نے (مہر) خرچ کیا ہے۔ وہ (ان سے) طلب کر لو اور جو انھوں نے (مہر) خرچ کیا ہے وہ (تم سے) طلب کریں۔ یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے اور اگر تمہاری کچھ عورتیں کافروں کی طرف چلی جائیں (اور ان کے مہر نہ ملیں) تو جب تمہاری باری آئے تو جن کی عورتیں چلی گئیں انھوں نے جتنا خرچ کیا ہے اتنا انھیں واپس دلا دو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ ذی قعدہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ کی ایک اہم دفعہ یہ تھی۔

اَنْ لا يأتيك مِنَّا احد۔ وان كان على دينك الا رددته علينا وخليت بيننا وبينه [1]

آپ کے پاس ہمارا جو بھی آدمی آئے گا، چاہے وہ آپ کے دین ہی پر کیوں نہ ہو، اسے آپ ہمارے پاس ضرور بھیج دیں گے اور ہمارے اور اس کے درمیان حائل نہیں ہوں گے (ہم اس کے ساتھ جو معاملہ چاہیں اختیار کریں گے۔)

ابن ہشام نے اس دفعہ کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

من اتى محمدا من قريش بغير اذن وليه ردّه عليهم

قریش کا جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اپنے سرپرست کی اجازت کے

---

[1] بخاری، کتاب الشروط، باب ما یجوز من الشروط فی الاسلام۔ صلح حدیبیہ کے واقعات کی تفصیل کے لیے دیکھیے جائے، بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد الخ۔ ابن ہشام، سیرۃ النبی: ۳۵۶/۳-۳۶۸، طبری، تاریخ ۶۱/۲ سے آگے۔

| | |
|---|---|
| ومن جاء قریشا ممن مع محمد لم یردوہ علیہ[1] | بغیر پہونچ جائے اسے وہ ان کے پاس واپس لوٹادیں گے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں میں سے کوئی قریش کے پاس پہونچ جائے تو اسے وہ نہیں لوٹائیں گے۔ |

معاہدہ کی یہ دفعہ بہت سے صحابہ کرام کے لیے شاق گزر رہی تھی، (حضرت عمرؓ تو اس میں اسلام اور مسلمانوں کی سبکی اور توہین سمجھ رہے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی جس طرح پابندی فرمائی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ معاہدہ ابھی لکھا ہی جارہا تھا کہ حضرت ابوجندل بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے مسلمانوں کے کیمپ میں پہونچے۔ ان کے باپ سہیل بن عمرو نے جو اس وقت قریش کی نمائندگی کر رہے تھے، کہا کہ معاہدہ کی رو سے آپ سہیل کو ہمارے حوالہ کردیں۔ آپ نے فرمایا ابھی تو معاہدہ کی تحریر مکمل نہیں ہوئی ہے۔ لہٰذا وہ تمہارے حوالے نہیں کئے جاسکتے، لیکن چونکہ معاہدہ کے نکات پر پہلے گفتگو ہوچکی تھی اس لیے سہیل نے اصرار کیا کہ ابوجندل کو مکہ بھیجنا ہوگا۔ آپ نے اسے تسلیم کرلیا۔ ادھر حضرت ابوجندل مسلمانوں سے فرمارہے تھے کہ میں مسلمان ہوکر حاضر ہوا ہوں اور اسلام لانے کی وجہ سے جس اذیت اور تکلیف سے دوچار ہوں اسے آپ حضرات دیکھ رہے ہیں۔ کیا اس حال میں مجھے دوبارہ اہل مکہ کے حوالہ کردیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تسلی دی کہ صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی سبیل نکالے گا۔ حضرت انس فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| فرد یومئذ اباجندل الی ابیہ سہیل بن عمرو ولم یأتہ احد من الرجال الا ردّہ فی تلک المدۃ وان کان مسلما[2] | اس روز آپ نے حضرت ابوجندل کو ان کے باپ سہیل بن عمرو کے حوالہ کردیا (اس مدت میں) مردوں میں سے جو بھی آیا اسے آپ نے واپس بھیج دیا، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ |

ایک سوال یہ ہے کہ اس معاہدہ میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل تھیں یا نہیں؟

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ النبی: ۳/۲۶۶۔

[2] بخاری، کتاب الشروط، باب ما یجوز من الشروط فی الاسلام۔

بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ معا ہدہ میں صراحت کے ساتھ ان عورتوں کی بھی واپسی کا ذکر تھا جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئیں لیکن سورۂ ممتحنہ کی ان آیات نے عورتوں کے سلسلہ میں اسے منسوخ قرار دیا۔ اس طرح اس کا تعلق صرف مردوں سے رہ گیا۔

بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں یہ ہے کہ معاہدہ کی اس دفعہ کے الفاظ عام تھے، اس لیے گو اس کا اطلاق مردوں اور عورتوں دونوں ہی پر ہوتا تھا لیکن ان آیات نے واضح کر دیا کہ وہ اس میں شامل نہیں۔ اس میں ان کی کم زوری کی رعایت کی گئی ہے[1]

یوں کہنا چاہیے کہ معاہدہ میں یہ ایک ترمیم تھی جسے مشرکین نے عملاً قبول کر لیا۔ ورنہ وہ اسے رد بھی کر سکتے تھے

ان دونوں توجیہات سے ہٹ کر ایک اور توجیہ بھی ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ بخاری کی ایک روایت میں معاہدہ کی اس دفعہ میں 'احد' (کوئی) کی جگہ 'رجل' (مرد) کا لفظ آیا ہے:

| | |
|---|---|
| لا یأتیك منا رجل وان | ہمارے مردوں میں سے جو بھی آپ |
| کان علی دینك - الا | کے پاس آئے گا، چاہے وہ آپ کے |
| رددتہ الینا[2] | دین ہی پر کیوں نہ ہو، اسے آپ ہمارے |
| | پاس لوٹا دیں گے۔ |

اس کا مطلب یہ ہے کہ معاہدہ میں صراحت کے ساتھ مردوں کا تو ذکر ہے لیکن عورتوں کے بارے میں وہ خاموش ہے۔ اس بنا پر جو عورتیں اسلام لانے کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں واپس نہیں بھیجا۔ مشرکین کی طرف سے کبھی اعتراض ہوا بھی تو آپ نے فرمایا: معاہدہ مردوں سے متعلق ہے عورتوں سے متعلق نہیں ہے، وہ اس کی تردید نہیں کر سکے[3]

---

[1] الماوردی، النکت والعیون: ۴/۲۲۴ - ۲۲۵۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۸/ ۶۲

[2] بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ الخ۔

[3] حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط جو قدیم الاسلام اور حضرت عثمانؓ کی اخیافی بہن تھیں کا واقعہ ہے کہ وہ صلح حدیبیہ کے بعد اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر پیدل مدینہ پہونچیں۔ دوسرے ہی دن ان کے دو =

ضحاک کا بیان ہے کہ معاہدہ میں یہ بات واضح کردی گئی تھی کہ کوئی مشرک عورت مکہ سے مدینہ کسی وجہ سے آجائے تو اسے واپس بھیج دیا جائے گا لیکن کسی مسلمان عورت کو جو مدینہ آئے واپس نہیں بھیجا جائے گا۔ البتہ اس کے کافر شوہر کا مہر اسے دے دیا جائے گا فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| کان بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین المشرکین عہد ان لا تاتیک منّا امراۃ لیست علی دینک الا رددتہا الینا فان دخلت فی دینک ولہا زوج ان ترد علی زوجہا الذی انفق علیہا والنبی صلی اللہ علیہ وسلم من الشرط مثل ذالک لہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان یہ عہد تھا کہ ایک کے پاس ہماری طرف سے کوئی عورت آجائے جو آپ کے دین کو نہ مانتی ہو تو آپ اسے ہمارے پاس لوٹا دیں گے۔ لیکن اگر وہ آپ کے دین کو قبول کرلے اور اس کا شوہر ہو تو آپ اسے اس کا وہ مہر واپس کردیں گے جو اس نے اپنی بیوی کو دیا ہے۔ اسی قسم کی شرط نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی ہے۔ |

---

= بھائی عمارہ بن عقبہ اور ولید بن عقبہ مدینہ پہونچ گئے اور معاہدہ کا حوالہ دے کر ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی وقت سورۂ ممتحنہ کی آیت نازل ہوئی اور انھیں واپس نہیں بھیجا گیا، لیکن اس کے ساتھ ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ اس طرح کے مطالبہ کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ کان الشرط فی الرجال ولم یکن فی النساء۔ فتح الباری: ۹/۲۱۹ - قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۸/۶۱ یعنی معاہدہ کی شرط مردوں کے سلسلہ میں تھی عورتوں سے متعلق نہیں تھی۔ حافظ ابن حجر اور علامہ قرطبی نے ایک کم زور قول نقل کیا ہے کہ حضرت ام کلثوم مکہ میں حضرت عمرو بن العاص کے نکاح میں تھیں فتح الباری، ۵/۳۴۸۔ قرطبی، ۱۸/۶۱۔ لیکن حافظ ابن حجر نے الاصابہ فی تمییز الصحابہ، میں بہت صراحت کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ہجرت سے پہلے ان کی شادی نہیں ہوئی تھی البتہ ہجرت کے بعد یکے بعد دیگرے کئی صحابہ سے ان کی شادی ہوئی۔ ان میں حضرت عمرو بن العاصؓ بھی تھے جن سے شادی کے ایک ماہ بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ حضرت ام کلثوم کے تذکرہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ بخاری، کتاب الشروط، باب مایجوز من الشروط فی الاسلام۔ ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ: ۳/۳۲۵-۳۴۶۔ طبری، تاریخ الرسل والملوک: ۲/۶۲۔ ابن اثیر، اسد الغابہ: ۷/۳۸۶۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۴/۴۹۱۔

۱۵ زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۴/۹۳۔ آلوسی، روح المعانی جز ۲۸ ص ۷۷

ان روایات کو تسلیم کرلیا جائے تو یہ بحث ختم ہو جاتی ہے کہ مکہ سے مدینہ مسلمان عورتوں کا آنا اور پھر ان کا واپس نہ بھیجنا اصل معاہدہ میں ترمیم کے ذریعہ عمل میں آیا یا نسیخ کے ذریعہ؛ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاہدہ کے عین مطابق عمل ہو رہا تھا۔ قرآن مجید نے اسی سلسلہ میں ہدایات دیں۔

اس پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ ان میں ان مسلمان عورتوں کا ذکر ہے جو ہجرت کرکے مدینہ آئیں اور جن کے شوہر ابھی اسلام نہیں لائے تھے اور مکہ ہی میں تھے۔ ان میں حسب ذیل احکام دئے گئے۔

۱۔ کوئی مسلمان عورت مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آئے تو تحقیق کرنی چاہئے کہ وہ اسلام لانے میں مخلص ہے۔ کسی دنیوی غرض، شوہر سے نزاع، خانگی جھگڑوں، کسی عداوت یا رشتہ داری کی وجہ سے یا دوسری شادی کے ارادہ سے ہجرت نہیں کی ہے۔[۱]

۲۔ تحقیق سے اگر معلوم ہو کہ اس نے سنجیدگی سے اسلام قبول کیا ہے اور اس کی ہجرت کا خدا اور رسول کی خوشنودی اور دینی جذبہ کے سوا کوئی دوسرا محرک نہیں ہے تو اسے دوبارہ مکہ نہ لوٹایا جائے۔ اسلام لانے کے بعد اس کا اپنے مشرک شوہر سے رشتہ منقطع ہو گیا۔ مسلمان عورت غیر مسلم کے لیے اور غیر مسلم مرد مسلمان عورت کے لیے حلال نہیں ہے۔

۳۔ جو مسلمان عورت اپنے غیر مسلم شوہر کو چھوڑ کر مدینہ آجائے اس سے اگر کوئی مسلمان نکاح کرنا چاہے اور عورت بھی اس کے لیے آمادہ ہو تو مہر ادا کرکے نکاح کرسکتا ہے۔

۴۔ مشرکین نے اپنی مسلمان بیویوں کو جو مہر دیا ہے وہ ان کو واپس کر دیا جائے۔[۲] اور مسلمان جن مشرک عورتوں کو چھوڑیں اپنا مہر ان سے (یا ان کے اولیاء سے) واپس لے لیں۔[۳]

۵۔ اس حکم کے آنے کے بعد جن عورتوں نے مدینہ ہجرت کی ان کے کافر شوہروں کے مہر مسلمانوں نے تو ادا کر دئے لیکن مسلمانوں نے جن مشرک عورتوں کو چھوڑا ان کے مہر ادا کرنے سے مشرکین نے انکار کر دیا۔[۴]

---

[۱] جن باتوں کی تحقیق کی جاتی تھی ان کی تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ ابن جریر، تفسیر جزء ۲۸ ص ۴۱-۴۲ طبع قدیم

[۲] اس سلسلہ کی روایات کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن جریر، تفسیر: جزء ۲۸ ص ۴۲۔

[۳] ابن جریر، تفسیر ۲۸/۴۵۔ زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۴/۹۴۔ آلوسی، روح المعانی جزء ۲۸ ص ۷۹۔

اس صورت حال کا علاج یہ تجویز ہوا کہ مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کو مہر کی رقمیں نہ ملیں تو جو رقمیں انھیں دی جانے والی ہیں وہ روک لی جائیں اور یہ ان مسلمانوں کو دی جائیں جن کا نقصان ہوا ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ بیت المال سے اس کی تلافی کی جائے گی۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے جیسا کہ ابن کثیر اور ابن جریر نے لکھا ہے۔ پہلی صورت پر عمل نہ ہو سکے تو دوسری اختیار کی جا سکتی ہے[1]

مدینہ کی اسلامی ریاست کا اہل مکہ سے معاہدہ امن تھا، اس لیے ان احکام کا تعلق ایک معاہد قوم سے ہے۔ جن قبائل سے اس طرح کا معاہدہ نہیں تھا ان کے سلسلہ میں حضرت مجاہد اور قتادہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ آیت وان فاتکم شیءٌ..... میں یہ کہا گیا ہے کہ ان قبائل کی کوئی عورت ہجرت کر کے مدینہ آئے تو اس وقت تک اس کا مہر اس کے کافر شوہر کو واپس نہ کیا جائے جب تک کہ مدینہ سے ان کی طرف جانے والی عورت کا مہر وہ واپس نہ کر دیں[2]

یہاں ایک مسئلہ کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ جس مسلمان عورت کے غیر مسلم شوہر کو اس کا مہر واپس کیا جائے وہ اس عورت سے اب نکاح کرنے والے کی طرف سے اس کا مہر شمار نہیں ہوگا۔ اس کے لیے اسے الگ سے مہر ادا کرنا ہوگا۔ ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ اگر عورت کو مہر کی رقم اس لیے دی جائے کہ وہ اپنے سابق شوہر کا مہر واپس کر دے تو گویا یہ پیشگی مہر یا مہر معجل متصور ہوگا۔ اسی طرح بطور قرض اسے رقم دی جائے اور اس کی ادائیگی کو مہر مان لیا جائے تو یہ بھی صحیح ہوگا۔ بہر حال اس کے مشرک شوہر کو مہر کی جو رقم واپس کی گئی وہ الگ ہے اب جو مہر دیا جائے گا اس کا اس سے تعلق نہیں ہے[3]

اس آیت میں مہاجر عورتوں کے متعلق پہلی بات یہ کہی گئی:

| | |
|---|---|
| فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ | اگر تمہیں وہ ایمان والی معلوم ہوں تو انھیں |
| فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ | کفار کے پاس واپس مت بھیجو۔ نہ تو وہ |

---

[1] ابن جریر، تفسیر، ۲۸/۴۷ ابن کثیر، تفسیر القرآن: ۴/۳۵۲

[2] ابن جریر، تفسیر، ۲۸/۴۵

[3] زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۴/۹۳۔ آلوسی، روح المعانی: جزء ۲۸ ص ۷۷

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۔ عورتیں کافروں کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کافران کے لیے حلال ہیں ۔

اس میں واضح الفاظ میں کہہ دیا گیا ہے کہ اہلِ ایمان عورتیں ہجرت کرکے مدینہ آجائیں تو انھیں دوبارہ مکہ نہ بھیجا جائے اس لیے کہ اب وہ اپنے مشرک شوہروں کے لیے اور مشرک شوہران کے لیے حلال نہیں رہے ۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں دارالحرب میں کوئی عورت اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت کرکے دارالاسلام پہونچ جائے تو دارالحرب میں اس کا جو مشرک شوہر ہے اس سے اس کا ازدواجی رشتہ خود بخود منقطع ہوگیا۔ اختلافِ دار نے دونوں کے نکاح کو ختم کردیا[1] امام شافعی کے نزدیک میاں بیوی میں سے ایک کا اسلام قبول کرنا اور دوسرے کا اسلام قبول نہ کرنا اس تفریق کا سبب ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مومنہ کسی کافر کے لیے اور کسی مومن کا نکاح کسی مشرکہ سے حلال نہیں ہے۔ یہ زبردست دلیل ہے اس بات کی کہ مسلمان عورت کو اس کے کافر شوہر سے الگ کرنے والی چیز اسلام ہے نہ کہ ہجرت۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ان کے درمیان اختلاف دار نے تفریق پیدا کی ہے۔ امام مالک کے ہاں بھی اس کا اشارہ بلکہ صراحت ملتی ہے۔ لیکن پہلی رائے ہی صحیح ہے۔ اس لیے کہ 'لا هنّ حلٌّ لهم ولا هم يحلون لهنّ' کے الفاظ نے واضح کردیا ہے کہ مسلمان مرد کے لیے غیر مسلم عورت اور مسلمان عورت کے لیے غیر مسلم مرد کے حلال نہ ہونے کی وجہ اسلام ہے نہ کہ اختلاف دار۔ علامہ ابوعمر ابن عبدالبر کہتے ہیں دار کی وجہ سے اس میں فرق نہیں کیا گیا ہے۔ کتاب اللہ میں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اور نہ قیاس ہی سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس میں دین ہی کو دیکھا جائے گا کہ وہ ایک ہے یا نہیں[2]

اس مسئلہ میں فقہاء کے مسلک یہ ہیں ۔

۱۔ میاں بیوی اگر ایک ساتھ اسلام لے آئیں تو پہلے نکاح پر قائم رہیں گے ۔ چاہے

---

[1] احناف کے نقطۂ نظر کو تفصیل سے سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو جصاص، احکام القرآن: ۳/۵۳۸-۵۴۱

[2] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۸/۶۴۔ نیز ملاحظہ ہو ص ۶۷

ان کا نکاح کسی بھی طریقہ سے ہوا ہو۔ از سر نو نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ ان کے درمیان کوئی ایسا نسبی رشتہ ہو جس سے نکاح کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے یا رضاعت کا تعلق ہو۔ علامہ ابن عبدالبر کے بقول اس پر امت کا اجماع ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بہت سے ایسے افراد اسلام لائے جن کی بیویوں نے بھی اسلام قبول کیا اور وہ اپنے سابق نکاح پر قائم رہے۔ آپ نے ان سے شروط نکاح اور کیفیت نکاح کے بارے میں دریافت نہیں کیا۔ یہ بات تواتر سے ثابت ہے۔[۱]

امام ابوحنیفہ نے دارالاسلام اور دارالحرب کے احکام میں فرق کیا ہے۔ ان کے نزدیک دارالاسلام میں اگر عورت اسلام قبول کرتی ہے اور شوہر دینِ شرک پر قائم ہے تو اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا۔ اگر اسلام لے آئے تو وہ اس کی بیوی رہے گی ورنہ قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے گا۔ یہ طلاق شمار ہوگی۔ اس کے برخلاف کوئی مرد اسلام قبول کرتا ہے اور اس کی بیوی (مثلاً) مجوسی ہے تو اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا۔ اگر قبول کرلے تو اس کی بیوی رہے گی ورنہ قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے گا لیکن یہ طلاق شمار نہ ہوگی۔[۲]

دارالحرب میں اگر کوئی عورت اسلام لائے اور اس کا شوہر حالت شرک ہی پر قائم رہے یا کوئی مرد اسلام لائے اور اس کی مجوسی بیوی اسلام نہ لائے تو ان کے درمیان تفریق اس وقت واقع ہوگی جب کہ عورت کی تین ماہواری اور ماہواری نہ ہونے کی صورت میں تین ماہ کی مدت گزر جائے۔[۳]

میاں بیوی مسلمان ہیں لیکن ایک دارالحرب میں اور دوسرا دارالاسلام میں مقیم ہے تو اس سے ان کے درمیان تفریق نہ ہوگی۔[۴]

امام مالک کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے پہلے اسلام لے آئے اور شوہر حالت شرک پر قائم رہے تو اسے (عدت پوری ہونے تک) موقع دیا جائے گا۔

---

[۱] ابن قدامہ، المغنی: ۶/ ۶۱۳، نیز ۶۱۴ مزید ملاحظہ ہو۔ ابن الہمام، فتح القدیر: ۲/ ۵۰۲، ۵۰۴

[۲] ہدایہ مع فتح القدیر: ۲/ ۵۰۶

[۳] حوالہ سابق ص ۵۰۸

[۴] جصاص، احکام القرآن: ۳/ ۵۴۰

اگر وہ اس مدت میں اسلام لے آتا ہے تو بیوی سے اس کا تعلق باقی رہے گا۔ مدت گزرنے کے بعد تفریق ہو جائے گی۔ امام مالک نے اس سلسلہ کے بعض واقعات بھی بیان کیے ہیں کہ دور رسالت میں بیوی کے اسلام لانے کے دو ایک ماہ بعد شوہر کو اسلام کی سعادت نصیب ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکاح کو باقی رکھا۔

اگر مرد کے اسلام لانے کے فوراً بعد عورت اسلام نہ لائے تو فرماتے ہیں کہ ان کے درمیان تفریق ہو جائے گی[۱]

امام زہری، امام شافعی، اوزاعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کے نزدیک میاں بیوی میں سے ایک اسلام قبول کرے اور دوسرا قبول نہ کرے تو عدت پوری ہونے تک انتظار کیا جائے گا۔ اس مدت میں اسلام نہ لائے تو دونوں کے درمیان تفریق ہو جائے گی[۲]

اس بحث کا تعلق اس سے ہے کہ عورت کے ساتھ خلوت صحیحہ ہوئی ہو لیکن اگر خلوت نہیں ہوئی ہے تو علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ان کا نکاح فوراً ختم ہو جائے گا یہاں عدت کا سوال نہیں پیدا ہوتا[۳]

دار الحرب اور دار الاسلام کی پیچیدہ اور اختلافی بحث سے قطع نظر۔ جس پر تفصیل سے گفتگو کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس موضوع پر فقہاء کے خیالات ہم نے اختصار کے ساتھ بیان کر دیے ہیں۔ علماء اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت نے مسلمانوں اور مشرکین کے ازدواجی تعلقات ختم کر دیے۔

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ — نہ وہ عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ مرد ان عورتوں کے لیے۔

کے تحت حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

---

[۱] موطا امام مالک: کتاب النکاح، باب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجتہ قبلہ

[۲] ابن قدامہ، المغنی: ۶/۶۱۶۔ قرطبی، تفسیر: ۱۸/۶۷

[۳] قرطبی: الجامع لاحکام القرآن: ۱۸/۶۷۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو: بخاری، کتاب الطلاق، باب اذا اسلمت المشرکۃ او النصرانیۃ الخ مع فتح الباری: ۹/۴۲۰-۴۲۲۔

| | |
|---|---|
| هٰذه الآیة هی التی حرمت المسلمات علی المشرکین وقد کان جائزا فی ابتداء الاسلام ان یتزوج المشرك المومنة[1] | یہی آیت ہے جس نے مسلمان عورتوں کے لیے مشرکین سے نکاح کو حرام قرار دیا۔ آغاز اسلام میں مشرک کا مومنہ سے شادی کرنا جائز تھا۔ |

علامہ طیبی فرماتے ہیں۔ لاهم حلٌّ لهم یہ جملہ اسمیہ ہے۔ عربی قواعد کے لحاظ سے اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ حلت ثابت ہے اور جو نکاح ہو چکے وہ ختم ہو گئے۔ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ، جملہ فعلیہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب مستقبل میں بھی ان سے نکاح جائز نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تکرار حرمت اور قطع تعلق پر زور دینے اور اسے موکد کرنے کے لیے ہو[2]

آیت میں حکم ہے۔ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ۔

امام نخعی فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| وکان الکفار یتزوجون المسلمات والمسلمون یتزوجون المشرکات ثم نسخ ذالك فی هٰذه الآیة[3] | کفار مسلمان عورتوں سے اور مسلمان مشرک عورتوں سے نکاح کرتے تھے۔ اس آیت میں اسے منسوخ کر دیا گیا۔ |

مجاہد اس حکم کے ذیل میں کہتے ہیں:

| | |
|---|---|
| اصحاب محمد امروا بطلاق نساءهم کو فربمکة فعدن مع الکفار[4] | محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو حکم دیا گیا کہ مکہ میں ان کی جو کافر بیویاں کفار کے ساتھ رہ گئی ہیں انھیں طلاق دے دیں۔ |

قتادہ کہتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| مشرکات العرب اللاتی یأبین الاسلام امران یخلی سبیلهن[5] | عرب کی مشرک عورتیں جنھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا حکم دیا گیا کہ ان کو چھوڑ دیا جائے۔ |

---

[1] ابن کثیر، تفسیر: ۴/۳۵۱ [2] آلوسی، روح المعانی جزء ۲۸/ص ۷۶

[3] قرطبی، الجامع احکام القرآن: ۱۸/۶۵ [4] ابن جریر، تفسیر جزء ۲۸/۴۵ [5] حوالہ سابق۔

علامہ ابن جریر طبری آیت کے اس فقرہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| ھٰذا نھی من اللہ للمومنین | اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین |
| عن الاقدام علی نکاح النساء | کو مشرک عورتوں سے جو بت پرست ہیں |
| المشرکات من اھل الاوثان | نکاح کا اقدام کرنے سے منع کیا گیا ہے |
| وامرلھن بفراقھن[1] | اور ان کو چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ |

اس حکم پر جس طرح عمل ہوا اس کا ذکر امام زہری ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| فطلق المومنون حین | جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں |
| انزلت ھٰذہ الآیۃ کل امرأۃ | نے ہر اس کافر عورت کو جو ان میں سے |
| کافرۃ کانت تحت رجل منھم[2] | کسی کے عقد میں تھی، طلاق دے دی۔ |

اس حکم کے آنے کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو جو مکہ ہی میں مقیم تھیں طلاق دے دی۔ ان میں سے ایک قریبہ بنت ابوامیہ تھی، جس کا نکاح حضرت معاویہؓ سے ہوا جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ دوسری ام کلثوم بنت عمرو بن جرول الخزاعی تھی، جس سے اسی کے خاندان کے ایک شخص ابوجہم بن حذیفہ بن غانم نے شادی کر لی۔[3]

حضرت عیاض بن غنم نے اپنی بیوی ام الحکم بنت ابوسفیان کو طلاق دی۔ ان سے عبداللہ بن عثمان ثقفی نے شادی کر لی۔[4]

حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ نے اروی بنت ربیعہ کو طلاق دی، بعد میں یہ اسلام لائیں اور ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو حضرت خالد بن سعید بن العاص سے ان کا نکاح ہوا۔[5]

جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور جن کے شوہر کافر تھے ان سے ان کا ازدواجی

---

[1] ابن جریر طبری، تفسیر: جزء ۲۸ ص ۴۴ [2] حوالہ سابق

[3] بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب۔ ابن ہشام، سیرۃ النبی: ۳/۳۴۷، طبری، تاریخ الرسل والملوک ۲/۶۴۰۔ اس سلسلہ کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ فتح الباری: ۹/۹

[4] بخاری، کتاب الطلاق، باب نکاح من اسلم من المشرکات وعدتہن۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب علی ہامش الاصابہ لابن حجر: ۴/۴۵۴

[5] ابن حجر، فتح الباری: ۹/۴۱۹۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۸/۶۶

رشتہ ختم ہوگیا۔

۱۔ سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ۔ روایات میں آتا ہے کہ حدیبیہ میں معاہدہ صلح کی کتابت جیسے ہی مکمل ہوئی وہ خدمت میں پہونچیں تو ان کے شوہر بھی جن کا نام مسافر مخزومی یا صیفی بن الراہب تھا۔ پہونچ گئے اور کہا کہ میری بیوی کو واپس بھیجئے اس لیے کہ معاہدہ کی شرائط میں یہ داخل ہے اور ابھی کتابت کی روشنائی خشک بھی نہیں ہوئی ہے۔ اس کے بعد سورۂ ممتحنہ کی آیت نازل ہوئی۔ اور بقول زمخشری معاہدہ میں جو اجمال تھا اسے اس نے کھول دیا۔ آپ نے انھیں واپس نہیں بھیجا۔ مدینہ میں ان کی شادی حضرت عمرؓ سے ہوئی[۱]

امیمہ بنت بشر۔ اسلام لانے کے بعد یہ اپنے کافر شوہر حسان بن دحداح اور طبری کی روایت کے مطابق ثابت بن دحداح سے فرار ہوکر مدینہ پہونچیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشتہ کو ختم کرکے سہل بن حنیف سے ان کا نکاح کردیا جن سے ان کے صاحبزادے سہل بن حنیف ہیں۔ روایت میں ہے کہ سورۂ ممتحنہ کی آیت ان کے سلسلہ میں نازل ہوئی[۲]

اس طرح کی بعض اور خواتین کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن ان سے متعلق تفصیلات میں اختلاف ہے اس لیے یہاں ان کا ذکر نہیں کیا جارہا ہے[۳]۔ (باقی آئندہ)

---

۱؎ زمخشری، الکشاف: ۴/۹۳، قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۸/۶۱۔ ابن حجر، فتح الباری، ۵/۳۴۸۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۴/۳۲۵

۲؎ طبری، تفسیر، جزء ۲۸ ص ۴۴۔ ابن حجر، فتح الباری: ۵/۳۴۸۔ علامہ ابن اثیر اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ امیمہ بنت بشر کا تعلق انصار کے خاندان بنو عمرو بن عوف سے تھا اور آیت مہاجرین کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ اسد الغابہ: ۷/۲۵۔ حافظ ابن حجر نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہوسکتا ہے امیمہ بنت بشر کے شوہر انصار سے متعلق نہ ہوں، وہ ان کو مکہ منتقل کرکے لے گئے ہوں اور پھر وہ وہاں سے مدینہ آئی ہوں۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۴/۲۳۹

۳؎ ابن حجر، فتح الباری: ۵/۳۴۸۔

## تحقیق وتنقید

# خواب کی دینی حیثیت

## (ایک تحقیقی جائزہ)

ڈاکٹر غلام قادر لون

جدید دور میں مذہب اور اس کے مسلمات کو میزان عقل میں تولنے کی جو کوششیں ہوئی ہیں ان میں خواب کی سائنسی اور نفسیاتی توجیہہ کی کوشش خاص طور سے اہم تصور کی جاتی ہے۔ الہامی مذاہب میں خواب کو وحی کا ایک قابل اعتماد اور مستند ذریعہ کہا گیا ہے اس لیے خواب کو موضوع بحث بنانے کا مطلب مذہب کی ایک مسلمہ حقیقت کو زیر بحث لانے کی کوشش کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ جب یہودی نژاد عالم اور ماہر نفسیات فرائڈ (۱۸۵۶-۱۹۳۹ء) نے تحلیل نفسی کے ذریعہ خواب کا جائزہ لے کر اس کی روحانی حیثیت کا انکار کیا تو مذہبی حلقوں میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ کیوں کہ فرائڈ کے اس نظریہ کی سیدھی ضرب مذہب پر پڑتی تھی فرائڈ کے نظریات جب سامنے آئے تو مذہب بیزاروں کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار لگا جس سے انھوں نے مذہب کی جڑوں پر حملے شروع کیے۔ ان حملوں سے اہل مذاہب اس قدر مرعوب ہوئے کہ وہ بھی خواب کو خیال خام سمجھنے لگے۔ چنانچہ آج اچھے خاصے دین دار اور پڑھے لکھے حضرات بھی خواب کے بارے میں عجیب وغریب خیالات رکھتے ہیں۔ حالانکہ فرائڈ کی بنیادی غلطی یہ تھی کہ اس نے معمول سے ہٹے (Abnormal) انسانوں پر کی گئی تحقیق سے اخذ کردہ نتائج کو عام انسانوں پر منطبق کر دیا۔ پھر اس کی تحقیق میں کوئی ایسی نئی چیز بھی نہیں تھی جس کی طرف علمائے مذہب اور ماہرین فن تعبیر نے اپنی کتابوں میں اشارے نہ کئے ہوں۔ لیکن فرائڈ کے نظریات مذاق حال کے موافق تھے اس لیے ان کی خوب تشہیر ہوئی۔ خواب بے وزن ٹھہرا تو انسان کا شہر خواب بھی ویران ہو کر رہ گیا۔ یوں فکر جدید نے انسان کو اس سکون سے محروم کر دیا جو اسے خوابوں میں میسر تھا۔

ع اس کو بھی کھو دیا جسے پایا تھا خواب میں

خواب کی حیثیت تمام تہذیبوں میں مسلم رہی ہے۔ قدیم تہذیبوں میں بابل کی تہذیب مشہور ہے۔ دنیا کو پہلا قانون دینے والے بادشاہ حمورابی (۲۰۶۷ - ۲۰۲۵ ق م) کا عہد سلطنت اس تہذیب کا سنہری دور مانا جاتا ہے۔ خواب کے بارے میں اہل بابل کا عقیدہ تھا کہ دیوتا (Gods) خواب کے ذریعہ ایک خاص طریقہ سے انسان کو مستقبل اور عالم بالا کے ارادوں سے آگاہ کرتے ہیں چنانچہ بابل کی داستانوں میں خواب کا بار بار تذکرہ آتا ہے[۱]۔ اہل بابل کے یہاں تحریری تعبیر ناموں کا بھی رواج تھا۔ شہر نینوا کی کھدائی کے دوران جو تختیاں برآمد کی گئی ہیں ان میں ایک تختی پر اہل بابل کا خواب نامہ تحریر ہے۔ اس میں خوابوں کی تعبیر درج ہے[۲]۔ قدیم تہذیبوں میں مصر کی تہذیب کا شمار بھی ترقی یافتہ تہذیبوں میں ہوتا ہے۔ خواب کے بارے میں مصریوں کا اعتقاد تھا کہ دیوتا خواب میں آکر واضح اور غیر مبہم انداز میں اپنی بات کہہ دیتے ہیں[۳]۔ مصریوں کے یہاں تعبیر ناموں کا بھی چلن تھا۔ ماہرین مصریات نے پیپرس پر جو تحریریں دریافت کی ہیں ان میں سے ایک تحریر چسٹر بٹی پیپرس Chester Beaty Papyrus مصر کے تعبیر ناموں کا ریکارڈ ہے جس میں خوابوں کی تعبیر بیان کی گئی ہے۔ اس قدیم تعبیری دستاویز کا تعلق مصر کے بارھویں خاندان کے زمانہ یعنی (۱۹۹۱ — ۱۷۸۶ ق م) سے بتایا جاتا ہے[۴]۔

"الہامی مذاہب میں خواب کو وحی کا درجہ حاصل ہے۔ تورات میں آیا ہے:
خدا ایک بار بولتا ہے بلکہ دو بار، اگر آدمی شنوا نہ ہو تو خواب میں رات کو رؤیا میں جب بھاری نیند لوگوں پر پڑتی ہے اور وہ بچھونے پر ہوتے ہیں اس وقت انسان کے کان کھولتا ہے۔ اور وہ ان کے ذہن میں تعلیم نقش کر دیتا ہے تاکہ آدمی کو اس کام سے باز رکھے اور غرور کو انسان سے چھپائے۔ وہ اس کی روح کی نگہبانی کرتا ہے تاکہ وہ گڑھے میں نہ گرے اور اس کی جان کو کہ وہ تلوار سے

---

۱ ROBERT WILLIAM ROGERS - The Religion of Babylonia and Assyria, London 1908 PP. 196-197

۲ Encyclopaedia Britanica, 15th Edn, 1985 Vol. 27 P. 305

۳ Encyclopaedia of Religion and Ethics Newyork 1912, Vol V PP. 34-37

۴ Encyclopaedia Britanica Vol 27 P. 305

نہ نکلے۔ پھر وہ اپنے بستر پر درد سے تنبیہ پاتا ہے اور اس کی سخت ہڈیاں ٹوٹتی ہیں[۱]"

تورات میں متعدد خوابوں کا تذکرہ موجود ہے۔ حضرت ابراہیم کے معاصر بادشاہ ابی ملک، حضرت یعقوب حضرت یوسف اور ان کے دور فقائے زنداں کے خواب مشہور ہیں[۲]۔" "دانی ایل نبی کی کتاب" کئی دلچسپ خوابوں سے مالا مال ہے[۳]۔ بنی اسرائیل کے یہاں خوابوں کی تعبیر کا فن ایک تسلیم شدہ فن تھا۔ ایک وقت تنہا یروشلم میں چوبیس معبّر لوگوں کو خوابوں کی تعبیر بتایا کرتے تھے۔ معبرینِ خواب کی تعبیر کے عوض فیس وصول کرتے تھے۔ عام طور پر ہدایا اور فیس کی مقدار کے مطابق خوابوں کی تعبیر بتائی جاتی تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے فقہا بھی خوابوں کی تعبیر کے عوض لوگوں سے فیس لیتے تھے[۴]

اسلام میں رویائے صالحہ یا اچھے خوابوں کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ قرآن حکیم میں انھیں بشریٰ اور حدیث نبوی میں مبشرات کہا گیا ہے، انبیاء کے خوابوں کو وحی اور صوفیہ کے خوابوں کو الہام کا درجہ حاصل ہے۔ خواب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں رؤیا یا تعبیر رؤیا کے موضوع پر اسی طرح مستقل ابواب قائم کیے ہیں جس طرح انھوں نے ایمان، صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ، حج اور جہاد کے موضوعات پر عناوین قائم کیے ہیں[۵]

---

[۱] تورات، ایوب ۳۳: ۱۴—۲۰

[۲] تورات، پیدائش ۲۰: ۳، ۲۸: ۱۰، ۳۱: ۱۰، ۳۱: ۲۴، ۳۷، ۵، ۹—۱۰، سلاطین ۳: ۵

[۳] تورات، دانی ایل نبی کی کتاب ۱: ۱—۴۹

[۴] The Jewish Encyclopaedia 1916, vol. IV p. 656

[۵] امام بخاری۔ صحیح البخاری بشرح الکرمانی، داراحیا، التراث العربی، بیروت لبنان ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء ۲۴: ۹ "کتاب التعبیر" امام مسلم۔ صحیح مسلم، تحقیق محمد فواد عبدالباقی، داراحیاء الکتب العربیہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء ۴: ۱۷۷۱ "کتاب الرؤیا" امام ابوعیسیٰ محمد بن سورہ الترمذی سنن الترمذی، مصر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۲ھ/۱۹۲۲ء ۴: ۵۳۲ "کتاب الرؤیا" امام ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، تحقیق محمد فواد عبدالباقی، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۲: ۱۲۸۲ "کتاب الرؤیا" امام ابوداؤد، سنن ابی داؤد، تعلیق عزت عبیدالدعاس وعادل السید، حمص سوریہ ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء ۵: ۲۸۰ "باب ماجاء =

قرآن میں چھ خوابوں کا تذکرہ آیا ہے۔ ان میں ایک خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ انھوں نے خواب دیکھا کہ اپنے فرزند کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ذبح کر رہے ہیں۔ چوں کہ انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اس لیے انھوں نے حضرت اسماعیل کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹایا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی کہ اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔[1] دوسرا خواب حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج و چاند انھیں سجدہ کر رہے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر برسوں بعد اس وقت سامنے آئی جب حضرت یوسف نے مصر کا حاکم بننے کے بعد حضرت یعقوب اور ان کے کنبہ کو مصر بلایا اور ان لوگوں نے ان کے آگے سجدہ کیا۔[2] تیسرا اور چوتھا خواب ان دو جوانوں کا ہے جن میں سے ایک نے خواب دیکھا تھا کہ وہ شراب نچوڑ رہا ہے اور دوسرے نے خواب دیکھا تھا کہ اس کے سر پر روٹی کا طباق ہے جس میں سے پرندے کھاتے ہیں۔ جب ان دونوں نے حضرت یوسف سے خوابوں کی تعبیر پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ تم میں ایک تو (بری ہو کر) اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرا سولی دیا جائے گا اور اس کے سر کو پرندے کھائیں گے۔[3] پانچواں خواب عزیز مصر نے دیکھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ سات موٹی گایوں کو سات لاغر گایوں نے کھایا۔ نیز انھوں نے سات ہری اور سات خشک بالیں دیکھیں۔ اس خواب کی تعبیر حضرت یوسف نے دی تو بادشاہ نے انھیں خزانے کا حاکم بنایا۔[4] چھٹا خواب وہ ہے جس کا ذکر سورہ فتح میں آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صحابہ کے ساتھ مکہ میں حلق اور قصر (سر مونڈ کر اور بال کتر اکر) کر کے داخل ہو رہے ہیں۔ جب آپ نے صحابہ سے اس کا تذکرہ فرمایا تو وہ بہت خوش ہوئے وہ سمجھے کہ اسی سال داخل ہو جائیں گے۔ مگر اس سال صلح حدیبیہ کے شرائط کی بنا پر مسلمان مکہ میں داخل نہ ہو سکے اس لیے بعض لوگوں نے عرض کیا

---

۔ فی الرویا۔ امام مالک۔ المؤطا، تعلیق محمد فواد عبدالباقی، مصر ۱۳۷۰ھ ۲: ۹۵۶ "کتاب الرویا" امام دارمی۔ سنن الدارمی، تحقیق فواز احمد زمرلی/خالد السبع العلمی قاہرہ/بیروت الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء ۲: ۱۶۵۱ "کتاب الرویا" امام حاکم نیشاپوری۔ المستدرک، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۳۴ھ تا ۱۳۴۲ھ ۴: ۳۹۰ "کتاب الرویا"

[1] سورہ الصّٰفّٰت: ۱۰۲-۱۰۶ [2] سورہ یوسف: ۴-۱۰۰

[3] سورہ یوسف: ۳۶-۴۱ [4] سورہ یوسف: ۴۳-۴۹

یا رسول اللہ آپ نے خواب دیکھا تھا وہ کیا ہوا ؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ [1] ..... الخ — اللہ نے اپنے رسولؐ کو سچا خواب دکھایا۔

قرآن میں رؤیائے صالحہ یا اچھے خوابوں کے لیے بشریٰ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جس کے معنی "خوشخبری" ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

| | |
|---|---|
| اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ | یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ تو کوئی اندیشہ |
| عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ | ہے اور نہ وہ غموم ہوتے ہیں۔ وہ (اللہ کے |
| اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ | دوست ہیں) جو ایمان لائے اور پرہیز کرتے |
| الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي | ہیں۔ ان کے لیے دنیوی زندگی میں بھی |
| الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ | خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی اللہ کی باتوں |
| ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ [2] | میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ |

حضرت عطاء بن یسار (۱۹ھ — ۱۰۳ھ / ۶۳۹ء — ۷۲۱ء) سے روایت ہے کہ ایک مصری نے حضرت ابو الدرداءؓ (— ۳۲ھ / — ۶۵۲ء) سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "لهم البشرى في الحيوة الدنيا وفي الاخرة" کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب میں کہا "جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں پوچھا ہے تمہارے سوا صرف ایک شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا "جب سے یہ آیت نازل ہوئی اس وقت سے تمہارے سوا اس کے بارے میں کسی نے نہیں پوچھا یہ اچھا خواب ہے جسے مسلمان دیکھے یا مسلمان کے لیے دیکھا جائے" [3]

اسی مفہوم میں ایک اور روایت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن (۲۲ھ — ۹۴ھ / ۶۴۲ء — ۷۱۲ء) سے یوں نقل کی گئی ہے کہ حضرت عبادہؓ بن الصامت (۳۸ق ھ — ۳۴ھ / ۵۸۶ء — ۶۵۴ء) کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "لهم البشرى في الحيوة الدنيا وفي الاخرة" کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا "تم نے مجھ سے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا ہے جس

---

[1] سورہ فتح : ۲۷ — [2] سورۂ یونس : ۶۲-۶۴

[3] سنن الترمذی ۔ کتاب الرؤیا باب قولہ "لہم البشری فی الحیاۃ الدنیا" حدیث : ۲۲۷۳، ۴ : ۵۳۴

کے متعلق تم سے پہلے کسی نے یا میری امت میں سے کسی نے سوال نہیں کیا ہے، یہ (بشریٰ) اچھا خواب ہے جسے کوئی مسلمان دیکھتا ہے یا کسی دوسرے مسلمان کے لیے دیکھا جاتا ہے۔[1]

امام حاکم نیشاپوری (۳۲۱ — ۴۰۵ھ / ۹۳۳ — ۱۰۱۴ء) بھی ان دونوں حدیثوں کو المستدرک میں لے آئے ہیں۔[2] امام احمد بن حنبل (۱۶۴ — ۲۴۱ھ / ۷۸۰ — ۸۵۵ء) نے المسند میں حضرت عبادہ بن صامت والی حدیث روایت کی ہے۔[3] امام دارمی (۱۸۱ — ۲۵۵ھ / ۷۹۷ — ۸۶۹ء) نے سنن الدارمی اور امام ابن ماجہ (۲۰۹ — ۲۷۳ھ / ۸۲۴ — ۸۸۷ء) نے بھی سنن ابن ماجہ میں حضرت عبادہ بن الصامت والی حدیث نقل کی ہے۔[4]

دونوں حدیثوں میں بشریٰ کی جو تفسیر کی گئی ہے اس کی تائید دوسری حدیثوں سے بھی ہوتی ہے۔ امام مالک (۹۳ — ۱۷۹ھ / ۷۱۲ — ۷۹۵ء) نے دوسری سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ آپ اس آیت "لَهُمُ البشرىٰ فى الحيوٰة الدنيا وفى الاٰخرة" کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ (بشریٰ) رویائے صالحہ ہے جسے مرد

---

[1] سنن الترمذی۔ کتاب الرؤیا باب ۳ قولہ "لہم البشریٰ فی الحیاۃ الدنیا" حدیث: ۲۲۷۵، ۴: ۵۳۴ - ۵۳۵۔

[2] المستدرک کتاب تعبیر الرؤیا ۴: ۳۹۱

[3] امام احمد بن حنبل۔ المسند، دار صادر بیروت ۵: ۳۱۵، ۶: ۴۴۷، ۴۵۲

[4] سنن الدارمی۔ کتاب الرؤیا باب ۱ قولہ "لہم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ" حدیث: ۲۱۳۶، ۲: ۱۶۵

سنن ابن ماجہ۔ کتاب تعبیر الرؤیا باب ۱ "الرؤیا الصالحۃ یراہا المسلم" حدیث: ۳۸۹۸، ۲: ۱۲۸۳

حضرت ابو الدرداء والی حدیث میں ایک راوی مجہول ہے باقی رجال ثقہ ہیں۔ اس معنی میں متعدد احادیث مروی ہیں جن سے اس حدیث کو تقویت ملتی ہے۔ حضرت عبادہ بن الصامت والی حدیث میں انقطاع ہے۔ یعنی ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی ملاقات حضرت عبادہ بن الصامت سے ثابت نہیں ہے۔ امام ترمذی نے دونوں حدیثوں کو حسن کہا ہے۔ سنن الترمذی۔ کتاب الرؤیا حدیث: ۲۲۷۳، ۲۲۷۵، ۴: ۵۳۴ - ۵۳۵ حاکم حضرت عبادہ بن الصامت والی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے رجال شیخین کی شرط پر ہیں المستدرک، کتاب تعبیر الرؤیا ۴: ۳۹۱ ناصر الدین الالبانی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث حضرت عبادہ سے دوسرے طرق سے بھی مروی ہے ان دوسرے طرق کی مجموعی حیثیت سے صحیح ہے دیکھئے: محمد ناصر الدین الالبانی۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، عمان اردن الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۴ء حدیث: ۱۷۸۶، ۴: ۳۹۲، ۳۹۲۔

صالح دیکھتا ہے یا اس کے لیے دیکھا جائے[۱] اس روایت کے تمام راوی صحیح ہیں۔
امام طبری (۲۲۴ھ — ۳۱۰ھ / ۸۳۹ء — ۹۲۳ء) نے بروایت اعمش عن ابی صالح عن عطاء بن یسار عن ابی الدرداء بھی اسے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن اور قوی ہے[۲] یہ حضرت ابوہریرہ (۲۱ق ھ — ۵۹ھ / ۶۰۲ء — ۶۷۹ء) سے بھی مرفوعاً مروی ہے اور اس کی سند "صالح" ہے[۳] امام طبری نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت یوں بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رویائے حسنہ ہی بشریٰ ہے جسے مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لیے دیکھا جائے" اس روایت کے بارے میں شیخ محمود محمد شاکر کہتے ہیں کہ صحیح الاسناد خبر ہے[۴]

حدیث کے کثرت طرق کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام طبری نے ایسی چالیس احادیث و روایات نقل کی ہیں جن میں بشریٰ کی تفسیر رویائے صالحہ بتائی گئی ہے[۵] بعض طرق سے یہ حدیث قوی الاسناد، جید الاسناد اور صحیح الاسناد ہے[۶] صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود (۳۲ھ — ۶۵۲ء) حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عباس (۲ق ھ — ۶۸ھ / ۶۲۰ء — ۶۸۷ء) اور تابعین میں سے مجاہد (۱۰۰ھ / ۷۱۸ء) عروہ بن زبیر (۲۲ھ — ۹۳ھ / ۶۴۳ء — ۷۱۲ء) یحییٰ بن ابی کثیر (۱۲۹ھ / ۷۴۶ء) ابراہیم نخعی (۴۶ھ — ۹۶ھ / ۶۶۵ء — ۷۱۵ء) اور عطاء بن ابی رباح (۲۶ھ — ۱۱۴ھ / ۶۴۶ء — ۷۳۲ء) نے بشریٰ کی تفسیر رویائے صالحہ (نیک خواب) بتائی ہے[۷] مفسرین میں سے فراء (۱۴۴ھ — ۲۰۷ھ / ۷۶۱ء — ۸۲۲ء) نے بشریٰ کی تفسیر میں رویائے صالحہ والی روایت نقل کی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے قرآن میں کیے گئے وعدے بھی ہیں[۸]

---

[۱] الموطأ۔ کتاب الرویا باب ماجاء فی الرویا حدیث: ۵، ۲: ۹۵۸

[۲] ابوجعفر محمد بن جریر الطبری۔ جامع البیان تحقیق و تخریج محمود محمد شاکر: دار المعارف مصر ۱۹۶۸ء حدیث: ۱۷۷۳۶، ۱۵: ۱۳۵ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ حدیث ۱۷۸۶، ۴: ۳۹۱-۳۹۲۔

[۳] جامع البیان حدیث ۱۷۷۲۸، ۱۵: ۱۳۱ [۴] جامع البیان حدیث ۱۷۷۲۶، ۱۵: ۱۳۰

[۵] جامع البیان حدیث ۱۷۷۱۷ — ۱۷۷۵۷، ۱۵: ۱۲۴ - ۱۳۱

[۶] امام ابن الاثیر۔ جامع الاصول، تحقیق عبدالقادر ارناؤوط، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء ۲: ۱۹۰ - ۱۹۱ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ حدیث: ۱۷۸۶، ۴: ۳۹۲، جامع البیان حدیث ۱۷۷۲۶، ۱۵: ۱۳۰

[۷] امام اسماعیل بن کثیر الدمشقی۔ تفسیر القرآن العظیم، دار الفکر العربی ۲: ۴۲۴

[۸] ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء۔ معانی القرآن۔ عالم الکتب بیروت الطبعۃ الثانیہ ۱۹۸۰ء ۳: ۱۷۴

امام طبری نے مختلف اسناد سے ان روایات کو نقل کیا ہے جن میں بشریٰ کی تفسیر رویائے صالحہ بتائی گئی ہے لیکن ساتھ ہی انھوں نے وہ روایات بھی نقل کی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ بشریٰ سے مراد وہ بشارتیں ہیں جو مومنین کو موت کے وقت دی جاتی ہیں۔ انھوں نے ان دونوں کو جمع کرتے ہوئے کہا ہے کہ بہتر قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دنیوی زندگی میں خوشخبری کی جو خبر دی ہے تو دنیوی زندگی میں خوشخبری سے مراد رویائے صالحہ ہے جسے مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لیے دیکھا جائے اور بشریٰ میں وہ بشارتیں بھی شامل ہیں جو آخری وقت پر فرشتے مسلمان کو سناتے ہیں۔[۱] امام ابن کثیر (۷۰۱ھ — ۷۷۴ھ / ۱۳۰۲ء — ۱۳۷۳ء) نے ان روایات کو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے جن میں بشریٰ کی تفسیر رویائے صالحہ بتائی گئی ہے۔[۲]

جن روایات یا اقوال میں بشریٰ کی تفسیر رویائے صالحہ بتائی گئی ہے۔ ان کی تائید ان دوسری صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں خواب کو مبشرات کہا گیا ہے حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات — نبوت میں سے صرف مبشرات باقی رہ گئی ہیں۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مبشرات کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔

الرؤیا الصالحۃ[۳] — اچھے خواب

حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (آخری) بیماری کے دوران چادر ہٹائی۔ صفیں حضرت ابوبکر صدیق (۵۰ق ھ — ۱۳ھ / ۵۷۳ء — ۶۳۴ء) کے پیچھے کھڑی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا "نبوت کی خوشخبری والی چیزوں (مبشرات النبوۃ) میں سے صرف رویائے صالحہ باقی رہ گیا ہے جسے کوئی مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لیے کوئی دوسرا دیکھے۔[۴]

---

[۱] جامع البیان فی تفسیر القرآن دار المعرفۃ بیروت لبنان الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء ۱۱: ۹۹ - ۹۶

[۲] تفسیر القرآن العظیم ۲: ۴۲۳ - ۴۲۴، بعض مفسرین نے بشریٰ کی تفسیر وہ محبت اور نیک نامی بتائی ہے جو اولیاء اللہ کو لوگوں میں حاصل ہوتی ہے۔ [۳] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب المبشرات حدیث: ۶۵۷۲، ۲۴: ۱۰۱

[۴] سنن ابن ماجہ۔ کتاب تعبیر الرویا باب الرؤیا الصالحہ حدیث ۳۸۹۹، ۲: ۱۲۸۳

اسی حقیقت کو آپؐ نے چند لفظوں میں یوں بیان فرمایا ہے۔

ذھبت النبوۃ وبقیت المبشرات[۱] نبوت چلی گئی مبشرات باقی رہ گئیں۔

مبشرات کے بارے میں ایک اور روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے بعد نبوت میں سے صرف مبشرات باقی رہ جائیں گی۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ مبشرات کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "اچھا خواب جسے کوئی مرد صالح دیکھے یا اس کے لیے دیکھا جائے (یعنی اس کے لیے کوئی دوسرا دیکھے) نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے"[۲]

اچھے خواب کو اجزاء نبوت میں سے ۴۶ واں جز قرار دیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| الرؤیا الحسنۃ من الرجل | مرد صالح کا اچھا خواب نبوت کے ۴۶ |
| الصالح جزءٌ من ستۃ واربعین | اجزاء میں سے ایک جز ہوتا ہے۔ |
| جزءًا من النبوۃ۔ | |

---

[۱] سنن ابن ماجہ۔ کتاب تعبیر الرویا باب المبشرات حدیث: ۳۸۹۵، ۲: ۱۲۸۲، المسند ۶: ۳۸۱۔

[۲] الموطاء۔ کتاب الرؤیا باب ماجاء فی الرویا حدیث: ۳، ۲: ۹۵۷

اس معنی میں متعدد احادیث مروی ہیں۔ ان میں خواب کو نبوت کے اجزاء میں سے ۲۴ واں، ۲۵ واں، ۲۶ واں، ۲۷ واں، ۴۰ واں، ۴۲ واں، ۴۴ واں، ۴۵ واں، ۴۶ واں، ۴۷ واں، ۴۹ واں، ۵۰ واں، ۷۰ واں، ۷۲ واں اور ۷۶ واں جز کہا گیا ہے۔ دیکھئے: ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری بشرح صحیح البخاری، تعلیق وعبدالرؤف ومصطفیٰ محمد الہواری سید محمد عبدالمعطی۔ مکتبۃ الکلیات الازہریہ، القاہرہ مصر ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء کتاب التعبیر باب رؤیا الصالحین ۲۶: ۲۰۸-۲۰۹۔

ان میں سے امام نووی (۶۳۱-۶۷۶ھ/۱۲۳۳-۱۲۷۷ء) نے مسلم کی شرح میں ان تین روایات کو زیادہ مشہور مانا ہے جن میں خواب کو نبوت کا ۴۶ واں ۴۵ واں اور ۷۰ واں حصہ کہا گیا ہے دیکھئے: صحیح مسلم بشرح الامام النووی، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، کتاب الرویا ۱۵: ۲۰-۲۱۔ یہ تینوں روایات صحیح مسلم میں موجود ہیں۔ دوسری روایات حدیث کی دوسری کتابوں میں ملتی ہیں امام نووی نے طبری کا یہ خیال نقل کیا ہے کہ روایات کا اختلاف خواب دیکھنے والے کے حال کی طرف راجع ہے۔ مومن صالح کا خواب نبوت کا ۴۶ واں اور فاسق کا خواب ۷۰ واں جز ہو سکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خفی خواب نبوت کا ۷۰ واں اور جلی ۴۶ واں حصہ ہوتا ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم بشرح الامام النووی، کتاب الرؤیا ۱۵: ۲۱

یہی ارشاد ان الفاظ میں بھی مروی ہے:

رؤیا المومن جزءٌ من ستۃ — مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء
واربعین جزأ من النبوۃ — میں سے ایک جز ہوتا ہے۔

یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔ شیخین کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی اس حدیث کو متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔

شارحین حدیث نے اس حدیث کی مختلف شرحیں کی ہیں۔ امام خطابی (۳۱۹-۳۸۸ھ) نے اس سلسلہ میں علماء کے تین اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) بعض علماء کی رائے ہے کہ وحی کی ابتداء سے لے کر وفات تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳ سال دنیا میں رہے۔ مکہ میں آپؐ نے ۱۳ سال اور مدینہ میں ۱۰ برس قیام کیا۔ مکہ میں پہلے چھ ماہ تک آپؐ کے پاس خواب میں وحی آتی رہی۔ یہ آدھ سال کی مدت ہے اس لیے یہ مدت نبوت (کی مدت کا) ۴۶ واں جز ہوگی۔

(۲) بعض دوسرے علماء کا قول ہے کہ رؤیا نبوت کے موافق ظاہر ہوتا ہے یہ نہیں کہ نبوت کا باقی حصہ ہے یہی اس کے معنی ہیں۔

(۳) علماء کے ایک اور گروہ کا کہنا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ علم نبوت کے اجزاء کا باقی جز ہے۔ نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باقی نہیں ہے اور اسی معنی میں یہ حدیث ہے:

ذھبت النبوۃ وبقیت المبشرات: — نبوت چلی گئی اور مبشرات رہ گئیں: اچھا
الرویا الصالحۃ یراھا — خواب جسے مسلمان دیکھے یا اس کے
المسلم او تری لہ[1] — لیے کوئی دوسرا دیکھے۔

ان احادیث و آثار اور اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اور خواب میں کس قدر گہرا رشتہ ہے۔ انبیاء کرام کے خوابوں کے بارے میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ یہ وحی ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں[2]۔ عبید بن عمیر ( ) کے بارے میں روایت کی گئی ہے کہ انھوں نے انبیاء کرام کے خواب کو وحی بتاتے ہوئے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

---

[1] امام خطابی۔ معالم السنن مع سنن ابی داؤد، کتاب الادب باب ۹۶ ما جاء فی الرؤیا حدیث: ۵۰۱۷، ۵: ۲۸۱
[2] المستدرک۔ کتاب تعبیر الرؤیا ۴: ۳۹۶

| | |
|---|---|
| اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ (الصافات : ۱۰۲)[۱] | (ابراہیمؑ نے کہا) میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں (اسماعیلؑ کو) ذبح کر رہا ہوں تو اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ اسماعیل نے کہا۔ ابا جان آپ وہ کر جائیے جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔ |

امام خطابی کا کہنا ہے کہ انبیاءؑ کو خواب میں بھی وحی بھیجی جاتی تھی جس طرح انھیں بیداری میں وحی بھیجی جاتی ہے۔[۲] امام ابن قیم (۶۹۱ھ - ۷۵۱ھ / ۱۲۹۲ء - ۱۳۵۰ء) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب وحی کا ذکر کرتے ہوئے پہلے نمبر پر رویائے صادقہ کا ذکر کیا ہے۔[۳]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول رویائے صادقہ (سچے خوابوں) سے شروع ہوا۔ اس زمانہ میں آپؐ جو خواب دیکھتے اس کی تعبیر روشن صبح کی طرح سامنے آتی تھی۔[۴] نبوت کی ۲۳ سالہ مدت کے دوران آپؐ برابر خواب کے ذریعہ خوشخبریوں سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ بارہا آپؐ کو خواب میں مستقبل کے واقعات سے آگاہ کیا گیا۔ جنت و جہنم کی سیر کرائی گئی اور ابرار و فجار کی جزا و سزا کا مشاہدہ کرایا گیا۔ احادیث و سنن کی کتابوں میں ان خوابوں کی روایات اتنی کثرت سے منقول ہیں کہ ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

خواب میں آپؐ کو بعض ایسے امور سے آگاہ کیا گیا جو بعد میں واقع ہوئیں مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۶۱۳ء - ۶۷۷ء / ۵۸ق ھ - ۵۸ھ) کے ساتھ نکاح سے پہلے آپؐ کو خواب میں ان کی تصویر حریر کے کپڑے میں دو بار دکھائی گئی اور کہا گیا کہ یہ آپؐ کی زوجہ ہیں۔[۵]

اللہ نے ہجرت سے پہلے خواب میں آپؐ کو مدینہ منورہ کی سرزمین کا مشاہدہ کرایا اور جنگ احد میں شہید ہونے والوں کی شہادت سے آگاہ کیا۔ آپؐ کا بیان ہے "میں نے خواب

---

[۱] معالم السنن۔ حدیث ۵۰۱۸، ۵: ۲۸۱ [۲] معالم السنن۔ حدیث: ۵۰۱۸، ۵: ۲۸۱

[۳] ابن قیم الجوزیہ۔ زاد المعاد، تحقیق شعیب الارنؤوط / عبدالقادر الارنؤوط بیروت الطبعۃ الثامنۃ ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء ۱: ۷۸

[۴] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب اول ما بدی بہ رسول اللہ.... حدیث: ۶۵۶۴، ۲۴: ۹۴ - ۹۷

[۵] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب کشف المرأۃ فی المنام و باب ثیاب الحریر فی المنام حدیث: ۶۵۹۲ و حدیث: ۶۵۹۳، ۲۴: ۱۱۶ - ۱۱۷

میں دیکھا کہ میں ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجور تھے۔ میرا خیال گزرا کہ یہ سرزمین یمامہ یا ہجر ہے مگر وہ مدینہ یثرب نکلی۔ میں نے اسی خواب میں دیکھا کہ میں نے ایک تلوار ہلائی تو وہ بیچ میں سے ٹوٹ گئی۔ یہ وہ مصیبت تھی جو جنگ احد میں مسلمانوں پر پڑی۔ پھر میں نے اسے ہلایا تو وہ پہلے سے اچھی ہوگئی۔ یہ وہ فتح تھی جو اللہ نے ہم کو عطا کی اور مومن جمع ہوئے۔ میں نے اس خواب میں ایک گائے (ذبح ہوتی ہوئی) دیکھی اور یہ لفظ سنا کہ اللہ کا ثواب کرنا بہت اچھا ہے۔ وہ گائے تو مومن لوگ تھے جو جنگ احد میں شہید ہوئے اور وہ ثواب وہ تھا جو اللہ نے بدر کے بعد ہم کو نصیب فرمایا۔[۱]

حضرت عبداللہ بن عمر (۱۰ ق ھ - ۷۳ ھ / ۶۱۳ - ۶۹۲ ء) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب بیان فرمایا کہ میں نے دیکھا گویا ایک کالی عورت پریشان حال مدینہ سے نکل کر مہیعہ میں جا ٹھہری ہے۔ میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ مدینہ کی وبا مہیعہ جسے جحفہ کہتے ہیں منتقل کی گئی ہے۔[۲]

ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت عبادہ بن الصامت کی زوجہ حضرت ام حرام بنت ملحان (— ۲۸ ھ / — ۶۴۸ ء) کے گھر میں دن کو آرام فرمایا تھا۔ آپؐ ہنستے ہوئے جاگ گئے۔ حضرت ام حرام نے پوچھا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیوں ہنستے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "میری امت کے چند لوگ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے سمندر کے بیچ میں (جہازوں پر سوار) تخت پر بیٹھے ہوئے بادشاہوں کی طرح دکھائے گئے۔ حضرت ام حرام نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اللہ دعا کیجئے کہ مجھے ان لوگوں میں شامل کرے۔ حضورؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی اور سر رکھ کر سو گئے۔ پھر ہنستے ہوئے جاگے۔ حضرت ام حرام نے عرض کیا "یا رسول اللہ اب آپ کس سبب سے ہنستے ہیں؟ فرمایا "میری امت کے چند لوگ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے میرے سامنے پیش ہوئے جیسا کہ پہلی مرتبہ فرمایا تھا۔ حضرت ام حرام نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا کیجئے خدا مجھے ان لوگوں میں شامل کرے۔ آپؐ نے فرمایا "تم پہلوں میں شامل ہو"۔ حضرت ام حرام (قبرص پر حملہ کے موقع پر) جہاد کے لیے سمندری سفر پر روانہ ہوئیں۔ جب سمندر سے نکل کر سواری پر بیٹھ گئیں تو سواری سے گر کر شہادت پائی۔[۳]

---

[۱] صحیح مسلم۔ کتاب الرؤیا حدیث: ۲۰ (۲۲۷۲) ۴: ۱۷۷۹ — ۱۷۸۰۔ سنن ابن ماجہ۔ کتاب تعبیر الرؤیا باب تعبیر الرؤیا حدیث: ۳۹۲۱، ۲۰: ۱۲۹۲

[۲] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب المراۃ السوداء وباب المرأۃ الثائرۃ الراس حدیث: ۶۶۱۵، ۶۶۱۶، ۲۴: ۱۳۲ — ۱۳۳

[۳] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب الرویا بالنہار، حدیث: ۶۵۸۳، ۲۴: ۱۱۰ — ۱۱۱

جھوٹے مدعیان نبوت کی اطلاع بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دی گئی آپؐ کا بیان ہے۔ میں رات کو سویا تھا میں نے دیکھا کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں وہ مجھے برے معلوم ہوئے۔ پھر خواب ہی میں مجھ پر وحی کی گئی کہ میں ان دونوں پر پھونک ماروں۔ میں نے ان دونوں پر پھونک ماری تو وہ اڑ گئے۔ میں نے ان دونوں کی تعبیر یہ لی کہ میرے بعد دو کذاب نکلیں گے ان میں ایک عنسی اور دوسرا مسیلمہ کذاب ہے[1] بعض احادیث میں یہ الفاظ ہیں کہ میں نے ان کی تعبیر یہ لی کہ یہ دونوں کذاب ہیں جن کے درمیان میں ہوں۔ ان میں ایک صنعاء والا (عنسی کذاب) اور دوسرا یمامہ والا (مسیلمہ کذاب[2])

خواب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات حدیث کی کتابوں میں مروی ہیں۔ ان سے خواب کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ علم تعبیر کے رہنما اصولوں کی نشاندہی جس قدر وضاحت کے ساتھ آپ نے فرمائی ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ اصول مسلمانوں ہی میں نہیں دوسری قوموں کے معبرین کے یہاں بھی مسلمہ ہیں۔

خواب دیکھنے والے اور معبر کے لیے سب سے پہلا مرحلہ وہ ہوتا ہے جب رؤیا اور حلم میں خلط ملط ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات معبر جس چیز کو حلم سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے وہ رویا ہوتا ہے اس کی مثال خود قرآن مجید میں ہے۔ بادشاہ مصر نے معبرین سے خواب کی تعبیر دریافت کی تو انھوں نے اضغاث احلام کہہ کر تعبیر دینے سے معذوری ظاہر کی۔ بعد میں حضرت یوسف نے اس خواب کی تعبیر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا اور حلم (پریشان کن خواب) کا فرق واضح فرمایا۔ آپ کا ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان[3] | رؤیا اللہ کی طرف سے اور حلم شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ |

---

[1] صحیح البخاری۔ کتاب بدء الخلق باب وفد بنی حنیفۃ حدیث: ۴۰۷۸، ۱۶: ۱۹۳۔ سنن ابن ماجہ۔ کتاب تعبیر الرؤیا باب تعبیر الرویا، حدیث: ۳۹۲۱، ۲: ۱۲۹۲

[2] صحیح البخاری۔ کتاب تعبیر الرؤیا، باب النفخ فی المنام حدیث: ۶۶۱۳، ۲۴: ۱۳۱-۱۳۲

[3] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب الرؤیا عن اللہ، حدیث: ۶۵۶۶، ۲۴: ۹۸

چنانچہ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے عرض کیا۔ یارسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر کاٹا گیا اور وہ لڑھکتا جاتا تھا میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خواب میں شیطان کے چھیڑ چھاڑ کا ذکر لوگوں سے نہ کیا کرو[۱]۔ یا جب تم میں کسی کے ساتھ خواب میں شیطان چھیڑ چھاڑ کرے تو لوگوں سے اس کا تذکرہ نہ کرے[۲]۔ آپؐ صحابہ سے اکثر فرمایا کرتے تھے "جب تم میں کوئی پسندیدہ خواب دیکھے تو اس کے لیے اللہ کا شکر کرے اور اس کا تذکرہ کرے جب اس کے برعکس ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے پس اس کے شر سے پناہ مانگے اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرے وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا[۳]۔ ایک حدیث میں شیطانی خواب دیکھنے پر اس سے پناہ طلب کرنے اور بائیں طرف تھوکنے کی ہدایت کی گئی ہے[۴]۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ تین بار بائیں طرف تھتکارے[۵]۔

حدیث نبوی میں خوابوں کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں۔ آپؐ کا ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| الرؤیا ثلاث: فرؤیا حق و رؤیا یحدث بہا الرجل نفسہ و رؤیا تحزین من الشیطان فمن رأی مایکرہ فلیقم فلیصل۔[۶] | خواب تین ہوتے ہیں۔ ایک خواب سچا ہوتا ہے۔ ایک خواب وہ ہوتا ہے جو انسان اپنے دل سے بولے یعنی اس کے دلی خیالات کا نتیجہ ہو اور ایک وہ جو شیطان کی طرف سے رنجیدہ کرنے والا ہو پس جو کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اٹھ کر نماز پڑھے۔ |

---

[۱] صحیح مسلم۔ کتاب الرؤیا باب ۲ لایخبر تلعب الشیطان حدیث: ۱۵ (۲۲۶۸)، ۴: ۱۷۷۶ - ۱۷۷۷

[۲] سنن ابن ماجہ۔ کتاب الرؤیا باب ۵ من لعب بہ الشیطان فی منامہ حدیث: ۳۹۱۲، ۳۹۱۳، ۲: ۱۲۸۷

[۳] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب اذا رای مایکرہ حدیث: ۶۶۲۲، ۲۴: ۱۳۶

[۴] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب الرؤیا الصالحۃ جزء من ستۃ واربعین جزءًا من النبوۃ حدیث: ۶۵۶۸، ۲۴: ۹۹

[۵] سنن الترمذی۔ کتاب الرؤیا باب ۵ اذا رای فی المنام مایکرہ مایصنع حدیث: ۲۲۷۷، ۴: ۵۳۵ - ۵۳۶

[۶] سنن الترمذی۔ کتاب الرؤیا باب فی تاویل الرؤیا حدیث: ۲۲۸۰، ۴: ۵۳۷

ایک اور حدیث میں خواب کے اقسام یوں بیان کیے گئے ہیں "خواب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں بعض خواب شیطان کے اہاویل (ڈراؤنے خواب) ہوتے ہیں جن سے وہ ابن آدم کو ڈراتا ہے۔ بعض خواب وہ ہوتے ہیں کہ انسان کو بیداری کے دوران کسی چیز میں مشغولیت رہتی ہے تو وہ اسے خواب میں دیکھتا ہے اور بعض خواب وہ ہوتے ہیں جو نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتے ہیں[1]۔

خواب کے لیے تمام اوقات یکساں نہیں ہوتے۔ بعض موسموں کے خواب دوسرے موسموں کے مقابلہ میں زیادہ سچے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| اذا اقترب الزمان لم | جب زمانہ قریب ہوگا تو مومن کا خواب |
| تکد رؤیا المومن تکذب | جھوٹا نہ ہوگا اور ان میں سب سے سچا |
| واصدقهم رؤیا اصدقهم | خواب اس کا ہوگا جو سب سے زیادہ |
| حدیثًا ورؤیا المسلم جزءٌ | سچ بولنے والا ہوگا اور مسلمان کا خواب |
| من ستة واربعین جزءً | نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک |
| من النبوة والرؤیا ثلاث | جز ہوتا ہے۔ خواب تین ہوتے ہیں ایک |
| فالرؤیا الصالحة بشری | نیک خواب جو خدا کی طرف سے خوشخبری |
| من الله والرؤیا من تحزین | ہوتی ہے دوسرا جو شیطان کی طرف |
| الشیطان والرؤیا مما یحدث | سے تکلیف دینے کے لیے دکھائی |
| بها الرجل نفسه فاذا رای | دیتا ہے۔ تیسرا جو دنیا خیالات سے پیدا |
| احدکم ما یکره فلیقم فلیصل | ہوتا ہے پس تم میں کوئی ایسا ناپسندیدہ |
| ولا یحدث بها الناس[2] | خواب دیکھے تو کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور |
| | کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرے۔ |

امام بخاری (۱۹۴ — ۲۵۶ھ / ۸۰۹ — ۸۶۶ء) نے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| اذا اقترب الزمان لم تکد | جب زمانہ قریب ہوگا تو مومن کا خواب |

---

[1] سنن ابن ماجہ۔ کتاب تعبیر الرؤیا باب ۳۔ الرؤیا ثلاث حدیث: ۳۹۰۷، ۲: ۱۲۸۵ — ۱۲۸۶

[2] سنن الترمذی۔ کتاب الرؤیا باب ان رؤیا المومن جزءٌ..... حدیث: ۲۲۷۰، ۴: ۵۳۲

| | |
|---|---|
| تکذب رؤیا المومن ورؤیا المومن جزء من ستة واربعین جزءً من النبوة[1] | جھوٹا نہ ہوگا اور مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہوتا ہے |

امام مسلم (۲۰۴ھ — ۲۶۱ھ / ۸۱۹ء — ۸۷۴ء) کی روایت میں "جزءٌ من خمسٍ واربعین جزءً من النبوة" کے الفاظ آئے ہیں[2]۔ الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ یہ حدیث دوسری کتابوں میں بھی مروی ہے[3]۔

محدثین اور شارحین حدیث نے "اقترب الزمان" (زمانہ قریب ہوگا) کے دو معنی بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ جب قیامت قریب ہوگی اور دوسرے یہ کہ جب دن اور رات برابر ہوتے ہیں۔ امام ابو داؤد (۲۰۲ھ — ۲۷۵ھ / ۸۱۷ء — ۸۸۹ء) کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ جب دن اور رات برابر ہوتے ہیں[4]۔ امام خطابی دونوں اقوال نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ معبرین کا کہنا ہے کہ سب سے سچے خواب وہ ہوتے ہیں جو ربیع کے موسم اور دن اور رات برابر یا اعتدال پر ہونے کے دنوں میں دیکھے جاتے ہیں[5]۔ علمائے تعبیر کا بیان ہے کہ سال کے شروع کے خواب اور پھلوں کے نکلنے اور پکنے کے زمانہ کے خواب سب سے سچے ہوتے ہیں[6]۔ دن اور رات سال میں دو مرتبہ یعنی مارچ اور ستمبر میں برابر ہوتے ہیں۔ یہ دونوں وقت ایسے ہیں کہ ان میں یا تو پھل پھول نکل آتے ہیں یا پختہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے حدیث کی یہ تشریح اقرب الی الصواب اور قرین قیاس معلوم ہوتی ہے گویا حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ جب دن اور رات برابر ہوتے ہیں تو مومن کا خواب جھوٹا نہیں ہوتا۔

---

[1] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب القید فی المنام حدیث: ۷۰۱۷، ۲۴: ۱۱۹ — ۱۲۱

[2] صحیح مسلم۔ کتاب الرؤیا حدیث: ۶ (۲۲۶۳، ۴: ۱۷۷۳)

[3] سنن ابی داؤد۔ کتاب الادب باب ۹۶ ماجاء فی الرؤیا حدیث: ۵۰۱۹، ۵: ۲۸۲۔ سنن ابن ماجہ۔ کتاب تعبیر الرؤیا باب ۹ اصدق الناس رؤیا اصدقہم حدیثا حدیث: ۳۹۱۷، ۲: ۱۲۸۹۔ سنن الدارمی۔ کتاب الرؤیا باب ۶ الرؤیا ثلاث وباب ۷ اصدق الناس حدیث: ۲۱۴۳، ۲۱۴۴، ۲: ۱۶۸

[4] سنن ابی داؤد۔ کتاب الادب باب ۹۶ ماجاء فی الرؤیا حدیث: ۵۰۱۹، ۵: ۲۸۲ — ۲۸۳۔

[5] معالم السنن ۵: ۲۸۲

[6] ابن سیرین۔ منتخب الکلام فی تفسیر الاحلام بہامش تعطیر الانام فی تعبیر المنام۔ مصر ۱۳۱۶ھ ۱۰: ۸
ابو الفضل حسین ابن ابراہیم محمد تقلیسی۔ کامل التعبیر مطبع کریمی بمبئی ۱۳۲۲ھ ص ۱۴۔ سیدی خلیل بن شاہین الظاہری۔ کتاب الاشارات فی علم العبارات بہامش تعطیر الانام ۲: ۴

خواب رات اور دن میں کسی وقت بھی دیکھا جا سکتا ہے جب آدمی سو رہا ہو۔ ان میں بعض اوقات کے خواب سچے اور بعض کمزور ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| اصدق الرؤیا بالاسحار[1] | سب سے سچے خواب سحر یعنی صبح کے خواب ہوتے ہیں۔ |

معبرین کے یہاں بھی یہ بات مسلم ہے کہ سب سے سچے خواب سحر یعنی صبح کے خواب ہوتے ہیں کیوں کہ اس وقت انوار و برکات نازل ہوتی ہیں[2]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خواب کی تعبیر تب تک واقع نہیں ہوتی جب تک اس کی تعبیر نہ دی جائے یعنی خواب اس وقت تک بے اثر رہتا ہے جب تک اس کی تعبیر بیان نہ کی جائے۔ آپؐ نے فرمایا ہے:

| | |
|---|---|
| الرؤیا علی رجل طائر مالم تُعبَر فاذا عُبرت وَقعَتْ[3] | خواب پرندے کے پاؤں پر ہوتا ہے یعنی قرار نہیں پکڑتا جب تک اس کی تعبیر نہ دی جائے جب تعبیر دی جاتی ہے تو واقع ہو جاتا ہے۔ |

امام ترمذی نے اس حدیث کو دو طریقوں سے روایت کیا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

| | |
|---|---|
| رؤیا المسلم جزء من ستۃ واربعین جزءً من النبوۃ وھی علی رجل طائر مالم یحدث بھا فاذا احدث بھا وقعت[4] | مسلمان کا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہوتا ہے اور وہ جب تک پرندے کے پاؤں پر ہوتا ہے جب تک اسے بیان نہ کیا جائے جب اسے بیان کر دیا جاتا ہے تو (دی گئی تعبیر کے مطابق) واقع ہو جاتا ہے۔ |

---

[1] سنن الترمذی۔ کتاب الرؤیا باب۳ قول (لم یبق من المبشرات...) حدیث: ۴: ۲۲۷۴، ۴: ۵۳۴

[2] شیخ عبدالغنی النابلسی۔ تعطیر الانام فی تعبیر المنام مصر ۱۳۱۶ھ ۱: ۴ — ۵، منتخب الکلام ۱: ۸، کمال التعبیر ص ۱۱، بعض معبرین نے لکھا ہے کہ قیلولہ کے خواب بھی سب سے سچے ہوتے ہیں لیکن سحر کے خوابوں کی سچائی پر سب کا اتفاق ہے۔

[3] سنن ابی داؤد۔ کتاب الادب باب ماجاء فی الرؤیا حدیث: ۵۰۲۰، ۵: ۲۸۳ — ۲۸۴۔ سنن ابن ماجہ۔ کتاب التعبیر الرؤیا باب۶ اذا عبرت الرویا وقعت حدیث: ۳۹۱۴، ۲: ۱۲۸۸

[4] سنن الترمذی۔ کتاب الرؤیا باب ماجاء فی الرویا حدیث: ۲۲۷۹، ۴: ۵۳۶

امام دارمی اس حدیث کو الفاظ کے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ لائے ہیں[1]

اس سلسلہ میں سنن الدارمی میں ایک دلچسپ واقعہ منقول ہے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی جس کا شوہر تجارت کے سلسلہ میں اکثر سفر پر رہتا تھا۔ شوہر جب بھی سفر پر نکلتا عورت حاملہ ہوتی تھی۔ شوہر کی عدم موجودگی میں عورت خواب دیکھا کرتی کہ اس کے گھر کا ستون ٹوٹ گیا اور اس نے ایک بچے کو جنم دیا جو کانا تھا۔ ہر بار وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتی اور عرض کرتی کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے "اچھا خواب ہے تمہارا شوہر انشاءاللہ واپس آئے گا اور تم سے ایک نیک لڑکا پیدا ہوگا۔ عورت نے دو یا تین مرتبہ یہ خواب دیکھا، ہر دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی تعبیر فرمائی اس کا شوہر واپس آتا تھا اور اس سے بچہ ہوتا تھا۔ ایک روز وہ آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے۔ اس نے وہی خواب دیکھا تھا۔ میں نے اصرار کر کے اس عورت سے خواب پوچھا جب اس نے خواب بتایا تو میں نے کہا "واللہ اگر تم نے سچ مچ یہی خواب دیکھا ہے تو تمہارا شوہر مر جائے گا اور تم ایک فاجر لڑکے کو جنم دو گی"۔ وہ عورت تعبیر سن کر رونے لگی، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ آپؐ نے پوچھا "اے عائشہ یہ عورت کیوں رو رہی ہے"؟ میں نے آپؐ کو واقعہ سنایا اور جو تعبیر میں نے دی تھی وہ بھی عرض کی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا "عائشہ تمہیں کیا ہوا جب مسلمان کو خواب کی تعبیر بتایا کرو تو اسے اچھی تعبیر دیا کرو خواب اسی کے مطابق ظاہر ہوتا ہے جیسی معبر اس کی تعبیر دے" قسم بخدا اس عورت کا شوہر مر گیا اور میں نے دیکھا کہ اس نے فاجر بچے ہی کو جنم دیا[2]

مشہور ماہر حدیث امام ابن حجر عسقلانی (۷۷۳ھ/۱۳۷۱ء — ۸۵۲ھ/۱۴۴۸ء) اس حدیث کی سند کو حسن کہہ کر فتح الباری میں نقل کیا ہے[3]

یہی وجہ ہے کہ حدیث رسول میں صرف عالم اور ناصح یا عقلمند اور دوست سے تعبیر پوچھنے کی تاکید آئی ہے۔ کیوں کہ اگر خواب کی تعبیر بری ہو تو یہ لوگ تعبیر نہیں دیں گے اگر ابھی ہو تو

---

[1] سنن الدارمی۔ کتاب الرؤیا باب ۱۱۔ الرویا لا تقع الا علی عالم تعبیر حدیث: ۲۱۴۸، ۲: ۱۶۹ — ۱۷۰۔

[2] سنن الدارمی۔ کتاب الرؤیا باب ۱۳، فی القمص والبر واللبن حدیث ۲۱۶۳، ۲: ۱۷۴ — ۱۷۵۔

[3] فتح الباری۔ کتاب التعبیر باب من لم یر الرؤیا لاول عابر.... ۲۶: ۲۸۹۔

اس کی تعبیر دیں گے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ خواب سن کر انسان کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کریں گے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| لاتقص الرؤیا الا علی عالم او ناصح[1] | خواب صرف عالم اور ناصح سے بیان کیا کرو۔ |

دوسری احادیث میں" لایقصھا الا علی واجد او ذی رای[2]" (خواب بیان نہ کرے مگر دوست اور ذی رائے سے) اور" ولا یحدث بھا الا لبیبا او حبیبا[3]" اور ذکر نہ کرے سوائے عقلمند اور دوست سے) کے الفاظ مروی ہیں۔

تعبیر دینے کے بارے میں آپؐ نے بعض رہنما اصولوں کی نشاندہی بھی فرمائی ہے مثلاً آپؐ نے فرمایا ہے:

| | |
|---|---|
| اعتبروھا باسمائھا و کنوھا بکناھا والرؤیا لاول عابر[4] | خوابوں کی تعبیر ان کے اسماء اور کنیتوں پر قیاس کر کے دو خواب کی تعبیر پہلے معبر کی تعبیر کے موافق پڑتی ہے۔ |

چنانچہ آپؐ نے ایک خواب کی تعبیر اس طرح بیان فرمائی۔

| | |
|---|---|
| رایت ذات لیلۃ فیما یری النائم کاننا فی دار عقبہ بن رافع فاتینا برطب من رطب ابن طاب فاولت الرفعۃ لنا والعاقبۃ فی الاخرۃ و ان دیننا قد طاب[5] | میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ ہم عقبہ ابن رافع کے گھر میں ہیں۔ ہمارے پاس ابن طاب کے کھجوروں میں سے تر کھجوریں لائی گئیں میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ رفعت ہمارے لیے ہے اور آخرت میں عاقبت اچھی ہے اور ہمارا دین پاکیزہ ہے۔ |

---

[1] سنن الترمذی۔ کتاب الرؤیا باب فی تاویل الرؤیا حدیث: ۲۲۸۰، ۴: ۵۳۷

[2] سنن ابن ماجہ۔ کتاب تعبیر الرؤیا باب الرویا اذا عبرت ... حدیث: ۳۹۱۴، ۲: ۱۲۸۸

[3] سنن الترمذی۔ کتاب الرویا باب ماجاء فی تعبیر الرؤیا حدیث: ۲۲۷۸، ۴: ۵۳۶

[4] سنن ابن ماجہ۔ کتاب تعبیر الرویا باب علام تعبر الرؤیا حدیث: ۳۹۱۵، ۲: ۱۲۸۸۔

[5] صحیح مسلم۔ کتاب الرویا باب رویا النبی حدیث: ۱۸ (۲۲۷۰) ۴: ۱۷۷۹۔ سنن ابی داؤد۔ باب ماجاء فی الرؤیا حدیث: ۵۰۲۵: ۲۸۶

احادیث رسول میں جہاں سچے خوابوں کو بیان کرنے کا حکم آیا ہے وہیں یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ احلام کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو جھوٹ، موٹ خواب گڑھ کر لوگوں سے بیان کرتے پھرتے ہیں۔ احادیث میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

| | |
|---|---|
| من افری الفری ان یری عینیہ مالم ترہ[1] | سب سے بڑے جھوٹوں میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کو وہ چیز دکھائے جو اس نے دیکھی نہیں یعنی جھوٹا خواب بیان کرے۔ |

حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| من تحلم حلما کاذبا کلف ان یعقد بین شعیرتین ویعذب علی ذالک[2] | جس نے وہ خواب گڑھا جو اس نے نہیں دیکھا تو قیامت کے روز اسے جو کے دو دانوں میں گرہ لگانے کی تکلیف دی جائے گی اور اس پر اسے عذاب دیا جائے گا۔ |

ایک دوسری روایت میں آپؐ کا ارشاد یوں مروی ہے:

| | |
|---|---|
| من تحلم کاذبا کلف یوم القیامۃ ان یعقد بین شعیرتین ولن یعقد بینھما[3] | جس نے جھوٹا خواب گڑھا اسے قیامت کے روز جو کے دو دانوں میں گرہ لگانے کی تکلیف دی جائے گی اور وہ ان میں گرہ نہ لگا سکے گا۔ |

جو کے دو دانوں کو جوڑنے کے معنی ایک طرح کا عذاب ہے۔

جس طرح کسی معاملہ پر مسلمانوں کے اتفاق کو حجت مانا گیا ہے اسی طرح مسلمانوں کی ایک جماعت اگر کوئی خواب دیکھے تو یہ بھی ایک قسم کی حجت ہوتی ہے۔ صحابہ کرام میں سے کچھ حضرات نے خواب میں شب قدر کو آخری سات راتوں میں دیکھا اور بعض نے آخری دس راتوں

---

[1] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب من کذب فی حلمہ حدیث: ۶۶۲۰، ۲۴: ۱۳۵

[2] سنن ابن ماجہ۔ کتاب تعبیر الرؤیا باب من تحلم حلماً کاذباً حدیث: ۳۹۱۶، ۲: ۱۲۸۹

[3] سنن الترمذی۔ کتاب الرؤیا باب فی الذی یکذب فی حلمہ حدیث: ۲۲۸۳، ۴: ۵۳۸

میں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

التمسوھا فی السبع الاواخر[1] اسے آخری سات راتوں میں ڈھونڈو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعبیر کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ احادیث میں آیا ہے کہ آپؐ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے ہی صحابہ کی طرف رخ کرکے فرمایا کرتے کیا تم میں سے کسی نے رات کو کوئی خواب دیکھا ہے صحابہ اپنا اپنا خواب بیان کرتے تو آپؐ ان کی تعبیر دیتے تھے[2] حضرت سمرہ بن جندب (۶۰ھ / ۶۷۹ء) کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز سے فارغ ہوجاتے تو چہرہ مبارک ان کی طرف (صحابہ کی طرف) کرتے اور فرماتے۔

ھل رای احد منکم البارحۃ رؤیا۔[3] کیا تم میں سے گذشتہ شب کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟

اس حدیث کو دوسرے محدثین نے بھی روایت کیا ہے[4]

کتب حدیث میں آپؐ کی مختلف تعبیروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ام فضل (۳۰ھ / ۶۵۰ء) نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ میں سے ایک عضو ان کے گھر میں ہے۔ وہ خوفزدہ ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور خواب کی تعبیر پوچھی۔ آپؐ نے فرمایا "اچھا خواب ہے۔ فاطمہ (۱۸ق ھ - ۱۱ھ / ۶۰۵ - ۶۳۲ء) سے لڑکا پیدا ہوگا اور تم اسے دودھ پلاؤگی" پھر حضرت حسن (۳ - ۵۰ھ / ۶۲۴ - ۶۸۰ء) پیدا ہوئے۔ انھیں حضرت ام فضل کے حوالے کیا گیا اور انھوں نے بچہ کو دودھ پلایا[5]۔

صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؐ سے خواب میں سے بعض چیزوں کی تعبیریں بھی روایت کی ہیں۔ مثلاً دودھ کی تعبیر فطرت اور سفینہ کی تعبیر نجات ہے۔ اونٹ کی تعبیر غم اور سبزہ کی تعبیر جنت

---

[1] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب التواطؤ علی الرؤیا حدیث: ۶۵۷۳، ۲۴: ۱۰۳

[2] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب تعبیر الرؤیا بعد صلاۃ الصبح حدیث: ۶۶۲۴، ۲۴: ۱۳۹

[3] صحیح مسلم۔ کتاب الرؤیا باب ۴ رؤیا النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث: ۲۳ (۲۲۷۵) ۴: ۱۷۸۱

[4] سنن الترمذی۔ کتاب الرؤیا باب ۱۰ ماجاء فی الرؤیا النبی حدیث: ۲۲۹۴، ۴: ۵۴۳

الموطاء۔ کتاب الرؤیا باب ماجاء فی الرؤیا حدیث: ۲، ۲: ۹۵۶ - ۹۵۷

[5] المسند ۶: ۳۳۹، ۴۲۳۰۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت حسن یا حسین پیدا ہوئے۔ دیکھیے: سنن ابن ماجہ: ۱۵۸

ہے۔عورت کی تعبیر خیر و برکت ہے[۱]۔ نیز آپؐ نے دودھ کی تعبیر علم اور کرتے کی تعبیر دین بھی فرمائی ہے[۲]۔ ایک حدیث میں آپ نے نہر کی تعبیر عمل فرمائی ہے[۳]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں حضرت ابوبکر سب سے بڑے معبر مانے گئے ہیں[۴]۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں خوابوں کی تعبیر دی ہے[۵]۔

خود رسول اللہ بھی آپ سے خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے اپنا خواب بیان فرمایا "اے ابوبکر میں نے خواب میں دیکھا کہ ہم اور آپ ایک سیڑھی پر چڑھ گئے اور ہم آپ سے ڈھائی زینہ آگے نکل گئے"۔ حضرت ابوبکر نے کہا حضور اچھا خواب ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت تک باقی رکھے گا جب تک آپ خوش ہو جائیں اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی۔ یہ بات حضرت ابوبکر نے تین مرتبہ کہی۔ تیسری بار رسول اللہ نے پھر خواب کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر نے تعبیر دی "یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ آپ کو رحمت اور مغفرت کی طرف بلائے گا اور میں آپ کے بعد ڈھائی برس زندہ رہوں گا"[۶]۔ علم تعبیر کی کتابوں میں حضرت ابوبکر کی بعض ایسی تعبیریں نقل کی گئی ہیں جنھیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق (۴۰ ق ھ - ۲۳ ھ / ۵۸۴ - ۶۴۴ء) بھی علم تعبیر میں مہارت رکھتے تھے۔ شہادت سے پہلے جمعہ کے روز آپ نے تقریر کی اور کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک مرغ نے مجھے دو ٹھونگیں ماریں میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب کرے گا اور مجھے ایک عجمی شخص قتل کرے گا[۷]۔

---

= کتاب تعبیر الرویا باب تعبیر الرؤیا حدیث: ۳۹۲۳، ۲: ۱۲۹۳

[۱] سنن الدارمی۔ کتاب الرؤیا باب ۱۳ فی القمص والبسر واللبن حدیث: ۲۱۵۵، ۲: ۱۷۱ - ۱۷۲

[۲] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب اذا جری اللبن وباب القمیص فی المنام حدیث: ۶۵۸۸، ۶۵۸۹، ۲۴: ۱۱۴، ۱۱۵

[۳] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب رؤیا النساء حدیث: ۶۵۸۵، ۲۴: ۱۱۲-۱۱۳

[۴] سنن الدارمی۔ کتاب الرؤیا باب ۱۳ فی القمص واللبن حدیث ۲۱۵۶، ۲: ۱۷۲

[۵] صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر باب من لم یر الرویا لاول عابر اذا لم یصب حدیث: ۶۶۲۳، ۲۴: ۱۳۷ - ۱۳۸

[۶] ابن سعد۔ الطبقات الکبری، دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء ۳: ۱۷۷

[۷] الطبقات الکبری ۳: ۳۳۵

حدیث کی کتابوں میں دوسرے نامور صحابہ کی بعض دلچسپ تعبیروں کا ذکر بھی موجود ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں خواب کی اہمیت مسلم ہے۔ البتہ جو خواب پریشان خیالی، بدہضمی، بسیار خوری اور بھوک کی حالت میں دیکھتے ہیں ان کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی اور نہ ان کی کوئی تعبیر دی جاسکتی ہے۔ ایسے خوابوں کی بنیاد پر نفس خواب کی اصلیت سے انکار کرنا دین کے ایک شعبہ کے انکار کے مترادف ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ خواب کے متعلق جدید نظریات سے آگاہی حاصل کرکے یہ دیکھا جائے کہ فکر جدید نے کس طرح دلکش پردوں میں مذہب اور مذہب سے متعلق چیزوں کو نشانہ بنایا ہے۔ مغربی افکار اپنے اندر کتنی ہی دلکشی، جاذبیت رکھتے ہوں لیکن وہ بہرحال انسانی نظریات ہیں۔ ان میں صواب و ناصواب کا احتمال برابر تصور کیا جانا چاہیے اور مذہبی مسلمات کی جانچ کے لیے عصر جدید کے پیمانوں کو رد کردینا چاہیے۔

خدا باہر ہے حد دور بیں سے


ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی ایک اہم پیش کش

مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب

## اسلام اور مشکلات حیات

- اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں پر مشکلات اور مصائب کیوں آتے ہیں؟
- اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو بھی اور اجتماعی، شخصی اور انفرادی مشکلات سے کیوں گزارا جاتا ہے؟
- امراض، جسمانی تکالیف، مالی مشکلات، حادثات اور صدمات میں ایک مومن کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟
- مرض اور مشکلات حیات میں خودکشی کیوں ناجائز ہے؟
- مرض کی شدت میں کسی کی جان کیوں نہیں لی جاسکتی؟

یہ کتاب قرآن و حدیث کی روشنی میں ان سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے، مؤثر انداز بیان، دل نشیں بحث اور علمی اسلوب۔ آفسٹ کی حسین طباعت، خوب صورت سرورق۔ ضخامت ۸۸ صفحات۔ قیمت ۸ روپے

ملنے کا پتہ: منیجر مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

# عہدِ وسطیٰ کا ہندوستان عرب مورخین کی نظر میں

پروفیسر اقتدار حسین صدیقی

دسویں صدی عیسوی سے عرب فضلاء نے دنیا کے مختلف ممالک کی تاریخ اور جغرافیائی حالات میں دلچسپی لینی شروع کی اور اُن پر اپنی زبان میں لکھنا شروع کیا۔ نتیجہ میں بہت سی تحقیقی کتابیں شائع ہوئیں جو کہ دورِ حاضرہ کے محققین کے لیے بڑی اہمیت کی حامل تصور کی جاتی ہیں۔ ان تالیفات میں ہم کو دنیا کے ممالک اور ان میں رہنے والے لوگوں کے تمدن، مذہب کے بارے میں دلچسپ معلومات ملتی ہے۔ علاوہ ازیں مختلف شہروں، قصبوں اور ان کے جغرافیائی حالات کے متعلق بھی بہت اہم مواد مہیا کیا گیا ہے۔ ان میں وہ ممالک بھی شامل ہیں جن کو عربوں نے فتح کیا تھا۔ دوسرے وہ ممالک ہیں کہ جن سے عربوں کے تجارتی تعلقات تھے۔ ان ممالک میں وہ اپنی بحری اور برّی تجارت کے سلسلے میں جاتے تھے۔ چونکہ سمندری اور برّی تجارت پر مسلمان تجار نے اپنی برتری حاصل کرلی تھی اور اُن کے ذریعہ یہ بین الاقوامی تجارت مختلف ممالک میں صنعت و حرفت کے فروغ کے لیے ذریعہ اور حکمرانوں کی آمدنی میں اضافہ کا وسیلہ تھی لہٰذا غیر مسلم حکمرانوں نے مسلم تجار کو پوری مذہبی آزادی بھی دوسری سہولتوں کے ساتھ دی تھی۔ مسلمانوں نے وہاں تجارتی مراکز اور خصوصاً بندرگاہوں میں اپنی رہائشی مکانات، کارخانہ اور مساجد بھی تعمیر کرلی تھیں اور وہاں یا تو غلام خرید کر یا پھر پس ماندہ طبقہ کے لوگوں میں تبلیغ اسلام کے ذریعہ مسلمان بھی بنائے تھے۔ ایشیا کے کچھ اہم ممالک سے اس طرح اسلامی دنیا کا تعلق قائم ہوگیا تھا۔ عرب سیاحوں کی اور مورخین کی کتابوں میں اس تعلق کا ذکر خاصی تفصیل سے ملتا ہے۔

عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان سے متعلق عرب مورخین اور سیاحوں میں سلیمان تاجر، کتاب المسالک والممالک کے مولف ابوالقاسم عبیداللہ بن خرداذبہ اور مروج الذہب کے مولف المسعودی

قابل ذکر ہیں۔ ان کا تعلق دسویں صدی عیسوی سے ہے۔ انھوں نے اپنے زمانہ کے ہندوستان کے بارے میں اہم معلومات بہم پہونچائی ہیں۔ المسعودی نے چشم دید واقعات بیان کیے ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے مغربی کونکنی ساحل پر مسلم تجار کی بستیاں، ان کی بود و باش اور ہندوستان اور دوسرے ممالک سے تجارت کا بیان دلچسپ ہے۔ اِن مولفین کی نگارشات سے متاثر ہوکر ان کے پیشروؤں نے دنیا کے ممالک، لوگوں اور اُن کے طور طریقوں پر مزید تحقیق کرکے اسلاف کی روایت کو آگے بڑھایا۔ لہٰذا گیارہویں صدی عیسوی کے مسلم دانشوروں کی تحقیقات میں مختلف ممالک کو ایک دوسرے سے منسلک کرنے والے بحری اور بری راستوں، وہاں کے جغرافیائی حالات اور ثقافت پر مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کرکے عربی لٹریچر میں گرانقدر اضافہ کیا۔ اِن مسلم دانشوروں میں ابوریحان البیرونی خاص طور پر قابل ذکر ہیں کیونکہ انھوں نے از سرِ نو سائنٹفک تحقیق کے ذریعہ اپنی تالیفات "نہایت الاماکین اور "قانون مسعودی" میں شہروں کے صحیح طول البلد اور عرض البلد کا تعین کیا۔

البیرونی کے بعد چودھویں صدی عیسوی میں شامی فضلا جن کو مصر کے مملوک سلاطین کی سرپرستی حاصل تھی انھوں نے بھی دنیا کے مختلف ممالک پر اہم کتابیں لکھیں اور پرانے لٹریچر سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی تالیفات کو اپنے عہد تک کے حالات کے بیان پر ختم کیا۔ ان دانشوروں میں تقویم البلدان کے مولف ابوالفدا اور مسالک الابصار فی ممالک الامصار کے مولف شہاب الدین العمری کے علمی کارنامے بہت اہم ہیں۔ ذیل کی سطور میں ہم تقویم البلدان کے سندھ اور ہند کے باب کی تاریخی اہمیت کا تجزیہ پیش کریں گے۔ جہاں جہاں ممکن ہوسکا ہے وہاں معاصر ماخذ سے مقابلہ کیا گیا ہے۔

ابوالفدا کے حالات زندگی کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا کیونکہ کسی بھی دانشور یا ادیب یا مورخ کے خاندانی ماحول، ملکی ثقافت اور اس کے روزگار کا اس کے اسلوب تحریر اور تاریخی عوامل کے تجزیہ کے عمل (approach) پر کافی اثر پڑتا ہے۔ ابوالفدا کا خاندان شام میں حکمراں طبقہ سے متعلق تھا۔ تیرہویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں منگولوں کے حملہ کے وقت ان کے والد شام سے مصر ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے تھے کیونکہ مصر منگولوں کی یورش سے باہر تصور کیا جاتا تھا۔ مصر کے مملوک سلاطین کے شام کے کامیاب دفاع کرنے پر دوبارہ وہ اپنے وطن مالوف واپس آگئے اپنے باپ اور چچا کی طرح ابوالفدا

بھی شام میں اہم سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ سیاسی اور سرکاری مشغولیات کے باوجود علمی مشاغل کو بھی جاری رکھا۔ اہم علمی موضوعات مثلاً فقہ، طب، تاریخ اور جغرافیہ سے متعلق علوم پر کتابیں تصنیف کیں۔ ان کتابوں میں تقویم البلدان جو کہ مختلف ممالک کی تاریخ اور جغرافیائی حالات کے بارے میں ہے اُن کا علمی شاہکار تصور کیا جاتا ہے[۱]۔ اس کی تکمیل میں ابوالفدا نے عربی زبان میں دستیاب قدیم تالیفات سے استفادہ کرنے کے علاوہ اپنے معاصر سیاحوں سے معلومات حاصل کر کے شامل کیں اور ۱۳۳۱ء کے بعد اسے شائع کیا۔ یہاں اس کا تذکرہ ضروری ہے کہ جہاں ہندوستانی شہروں کا ذکر معاصر سیاحوں کی اطلاع پر ہوا ہے وہ حصہ یقیناً اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اُس سے ہمارے ہندوستانی معاصر فارسی ماخذ میں موجود تاریخی مواد میں دلچسپ اضافہ ہوتا ہے لیکن زیر مطالعہ کتاب تقویم البلدان میں اس طرح کا مواد کم ہے۔

کتاب کے سندھ اور ہند کے عنوان سے متعلق باب کا آغاز ابن حوقل کے حوالہ سے ہوتا ہے جس کے مطابق سندھ کا خطہ[۲] ایران کی ولایت کرمان کی مشرقی سرحد سے ملحق ہے اور جنوب میں سمندر (بحر عرب) سے جا ملتا ہے۔ یہ سمندر ریگستان کے جنوب میں واقع ہے۔ پھر شمال اور مشرق میں مکران کی سرحد ہندوستان سے ملتی ہے پھر بتاتے ہیں کہ مکران کے وہ حصے جو خطۂ سندھ میں شامل کر لیے گئے ہیں وہ توران اور بدھیہ کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ توران مکران کا شمال مشرقی علاقہ ہے جس کا مرکزی شہر قصدار ہے (موجودہ قلات میں خوضدار تصور کیا جاتا ہے) جبکہ بودھیہ موجودہ کچھ گونڈوانہ کا علاقہ ہے۔

خطہ مکران کا احوال قدیم عربی لٹریچر پر مبنی ہے۔ جس میں مکران ایک خوشحال اور تجارت سے آباد خطہ بتایا گیا ہے۔ کیونکہ عربوں کے تجارتی قافلے عرب ممالک سے ایران آتے تھے اور پھر وہاں سے مکران ہوتے ہوئے وسط ایشیا، چین اور ہندوستان آتے تھے اور پھر اسی راستہ سے واپس ہوتے تھے لہٰذا جہاں پانی دستیاب تھا اور حالات انسانی زندگی کے لیے دشوار نہیں تھے وہاں چھوٹی بڑی بستیاں آباد ہو گئی تھیں جہاں عرب تجار یا اُن سے متعلق لوگ قافلوں کو سہولتیں فراہم کرنے کے لیے آباد ہو گئے تھے۔ لیکن تیرہویں صدی عیسوی میں ۱۲۲۲ء کے بعد منگولوں کی یورش کی وجہ سے مکران تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ عربوں کے قائم کردہ تجارتی مراکز نیست و نابود ہو گئے تھے۔ صرف خانہ بدوش افغان اور بلوچ باقی رہ گئے تھے۔ مکران کا مقامی حکمران خاندان جس کا آخری فرمانروا سلطان

تاج الدین ابوالمکارم تھا اور جو کہ شعرا اور فضلا کا مربی اور علم و ہنر کا قدر دان تھا وہ بھی صفحۂ ہستی سے غائب ہو گیا تھا۔[۳۳] لیکن ابوالفدا نے منگولوں کی تاخت و تاراج کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح خطۂ سندھ کے بھی اُن شہروں کا ذکر ملتا ہے جو کہ مولف کے اپنے عہد میں دریائے سندھ کے رُخ بدلنے کی وجہ سے بالکل اُجڑ گئے تھے اور صرف اُن کے کھنڈرات مل سکتے تھے۔ لیکن عرب حکمرانوں کے عہد میں وہاں بڑے اہم شہر تھے اور ان کو عربوں نے تعمیر کیا تھا۔ مولف کے اپنے زمانہ (کے یعنی تیرہویں اور چودھویں صدی عیسوی) کے شہروں کا ذکر بالکل نہیں ملتا۔ مثال کے طور پر سندھ کے مشہور شہر منصورہ کے بارے میں کافی تفصیل ملتی ہے جبکہ وہ ویران ہو گیا تھا اور اس کے کھنڈرات موجودہ شہر حیدر آباد (سندھ) سے کچھ فاصلہ پر ملتے ہیں۔[۳۴] منصورہ کے عدم وجود کا ابوالفدا کو علم بھی تھا کیونکہ وہ بیان کرتے ہیں کہ عرب فاتحین نے مفتوحہ ممالک میں اپنی شاندار فتوحات کی یاد میں منصورہ نام کے شہر آباد کیے تھے۔ لیکن (اُن کے اپنے زمانہ میں) مصر کے المنصورہ شہر کے علاوہ سب ہی صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئے۔ سندھ کا قدیم مرکزی شہر جو کہ داہر کا پایہ تخت تھا اور موجودہ روہری قصبہ سے کچھ فاصلہ پر واقع تھا اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ شہر آبادی اور وسعت میں شہر ملتان کا ہم پلہ ہے جبکہ ارور کا وجود نہیں رہا تھا۔[۳۵] دیبل جو کہ تیرہویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں بندرگاہ نہیں رہا تھا اس کے بارے میں بھی قدیم عربی مآخذ کی بنا پر لکھتے ہیں کہ دیبل چھوٹا سا شہر ہے۔ آب و ہوا گرم ہے۔ یہاں سرسوں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ کھجور بصرہ سے درآمد ہوتے ہیں لیکن دیبل بندرگاہ کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے۔ مزید برآں لکھتے ہیں کہ دیبل اور منصورہ کے درمیان سفر کے سلسلے میں چھ منازل کو طے کرنا پڑتا ہے۔ درحقیقت اس زمانہ میں نہ منصورہ رہا تھا اور نہ ہی دیبل۔ برخلاف ابوالفدا کے اُن کا معاصر سیاح ابن بطوطہ جو کہ ۱۳۳۳ء میں ہندوستان آیا تھا۔ اس نے سندھ کی سیر کی تھی وہ دیبل کی بجائے سندھ کے نئے بندرگاہ موسوم بہ لاہری بندر کا ذکر کرتا ہے۔ ابن بطوطہ کے مطابق لاہری شہر بہت خوبصورت سمندر کے کنارے واقع ہے۔ اس کے پاس دریائے سندھ سمندر میں گرتا ہے۔ یہ شہر بڑا بندرگاہ ہے۔ یمن اور فارس کے جہاز اور تاجر بہت آتے ہیں اور اس لیے یہ شہر نہایت مالدار ہے اور اس کا محاصل بھی زیادہ ہے۔[۳۶]

جہاں تک پنجاب کے قدیم شہر ملتان کا احوال ہے وہ بھی قدیم لٹریچر پر مبنی ہے۔

اور اُس سے مولف کے اپنے عہد یعنی چودھویں صدی کے ملتان کے بارے میں علم نہیں ہو پاتا۔ ابوالفدا، ملتان کے قدیم مندر کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ جیسے اُن کے زمانہ میں موجود تھا حالانکہ اس مندر کو دسویں صدی کے اخیر میں عربوں سے حکومت چھیننے کے بعد اسماعیلی فرقہ کے شیعہ حکمراں نے منہدم کر دیا تھا۔ لیکن بلاذری کی فتوح البلدان اور اُن کے بعد کے مورخین اور سیاحوں کی کتابوں کی بنا پر رقمطراز ہیں کہ ملتان کے عظیم الشان مندر کے اندر ایک بُت ڈائس پر بیٹھا ہوا ہے جس کی شبیہ انسان کی طرح ہے۔ یہ پلوتھ مارے ہوئے ہے اور اس کے دونوں بازو پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کی دونوں آنکھوں میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ اس کی زیارت کے لیے زائرین ہندوستان کے دور دراز حصّوں سے آتے ہیں۔ سونا چاندی چڑھانے کے علاوہ عود کی قیمتی لکڑی بھی نذر کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس نذر میں ملتان کے حکمران کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔ حکمراں مسلمان ہے۔

سندھ اور ملتان کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقوں کا ذکر آتا ہے۔ یہ حصہ بھی زیادہ تر قدیم عربی کتابوں پر مبنی ہے لیکن چند شہروں کے متعلق مولف نے اپنے معاصر سیاحوں سے حاصل کی ہوئی تفصیلات درج کر دی ہیں۔ تیرہویں صدی میں ان شہروں کی کیفیت کے سلسلے میں تفصیلات دلچسپ ہیں۔ مثلاً راجپوتانہ کے دو اہم شہروں کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ناگور کا سفر دہلی سے چار دن کے عرصہ میں طے ہوتا ہے۔ ناگور کے بعد جالور کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ اونچے ٹیلے پر واقع ہے اور مصر کے شہر مصاف کی مانند ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ جالور گجرات کے شہر نہلواڑہ اور ناتور کے درمیان ہے۔ جنوبی ہندوستان کے تذکرہ میں سیاہ مرچ کی کاشت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اُس کے پودے بیلوں کی طرح پیڑ پر چڑھ جاتے ہیں۔

گجرات کے شہروں میں صرف کھنبایت کا ذکر سیاحوں کی رپورٹ پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے گجراتی شہروں کو قدیم لٹریچر کی بنا پر بیان کیا ہے۔ مثلاً جزیرہ دیو (DIU) کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ کھنبایت کے سامنے خلیج فارس میں جزیرہ ہے۔ یہاں کے باشندے سمندری قزاق ہیں اور بانس سے بنی ہوئی جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔ حالانکہ چودھویں صدی میں گجرات دہلی سلطنت کا حصہ ہو گیا تھا اور اس سے متعلق جزیرے اور بندرگاہ سلطان دہلی کی قلمرو میں شامل ہو گئے تھے۔ ہر جگہ امن و امان قایم ہو گیا تھا۔ بیرونی تجار کو مکمل تحفظ حاصل ہوئے

کی وجہ سے بیرونی تجارت کو بہت فروغ حاصل ہو چکا تھا۔ اسی طرح سومنات کا ذکر البیرونی کی مشہور کتاب القانون المسعودی کے حوالہ سے شروع ہوتا ہے کہ سومنات گجرات کے ساحل پر کاٹھیاوار کے علاقہ میں واقع ہے۔ عدن کی طرف جانے والے جہاز یہاں سے ہو کر گذرتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ سومنات ان شہروں میں شامل ہے جن کو سلطان محمود غزنوی نے فتح کیا تھا اور وہاں کے مشہور بت کو توڑ دیا تھا جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ گجرات کے مرکزی شہر نہلوارہ کا ذکر بھی البرونی کے حوالہ سے کیا ہے کہ اس کو نہلوالا اور نہروارہ لکھا جاتا ہے چونکہ البرونی نے اس کو نہلوارہ لکھا ہے لہٰذا یہی زیادہ صحیح ہوگا۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ نہلوارہ شہر میں تالاب اور باغات کثرت سے ملتے ہیں۔ تالابوں کے اندر عمارتیں بھر نظر آتی ہیں۔ وہ کھنبایت کو گجرات کا خاص بندرگاہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ایک کھاڑی میں واقع ہے اور مسلم تجار کی آماجگاہ ہے۔ ایک خوبصورت شہر ہے اور اس کی آبادی ملک شام کے شہر المعرہ سے کہیں زیادہ ہے۔ شہر میں عمارتیں پختہ اینٹوں سے تعمیر کی گئی ہیں اور اس کے باشندے (زیادہ تر) مسلمان ہیں۔ یہاں پر سفید سنگ مرمر بھی دستیاب ہوتا ہے اور باغات بھی اچھے خاصے ہیں۔

مہاراشٹرا کے ساحل پر آباد شہروں کا بھی ذکر دلچسپ ہے۔ ہنور کے متعلق (یہ بمبئی کے نزدیک ہونور کہلاتا ہے اور ایک تحصیل کا صدر مقام ہے) فرماتے ہیں کہ یہ خوبصورت شہر ہے اور باغات سے گھرا ہوا ہے۔ پانی کی فراوانی ہے۔ لہٰذا زمین زرخیز ہے۔ ابن بطوطہ کے مطابق شہر ہنور ایک کھاڑی میں واقع تھا جس میں سے دن بھر جہازوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ ابن بطوطہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ "شہر ہنور کے باشندے شافعی مذہب کے پیرو ہیں۔ وہ دیندار اور نیک بخت ہیں اور بحری طاقت کے لیے مشہور ہیں۔ اس شہر کی عورتیں اور اس پورے ساحل کی عورتیں سیاہ ہوا کپڑا نہیں پہنتیں بلکہ بے سلا کپڑا اوڑھتی ہیں۔ ایک آنچل سے تمام بدن لپیٹ لیتی ہیں اور دوسرے کو سر اور چھاتی پر ڈال لیتی ہیں۔ یہ عورتیں خوبصورت اور باعفت ہوتی ہیں ناک میں سونے کا بلاق پہنتی ہیں اور یہ اُن کی خصوصیت ہے کہ سب کی سب حافظ قرآن ہوتی ہیں۔ اس شہر میں تیرہ مکتبیں (مدرسے) لڑکیوں کی اور تیئس مکتبیں لڑکوں کی دیکھیں۔ سوا اس شہر کے یہ بات میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ یہ لوگ فقط تجارت بحری سے گذارہ کرتے ہیں"۔[۴]

اسی طرح سے مہاراشٹرا کے شہر تھانہ کا ذکر بھی تاریخی نقطۂ نظر سے عہدِ وسطیٰ کے

ہندوستان کی تاریخ کے طالب علم اور محقق کے لیے اہم ہے۔ وہ اس کو چودھویں صدی کے آغاز پر ہندو مسلمانوں کا مخلوط شہر بتاتے ہیں۔ وہ اس کو بین الاقوامی شہرت کا بندرگاہ بھی بتاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ تھانہ میں ہندوؤں کی اکثریت ہے جو کہ اپنے مذہب کے سچے پیرو ہیں اور بت پرستی کرتے ہیں۔ پھر البیرونی کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ وہاں بانس کے جنگلوں سے طباشیر مہیا ہوتی ہے جسے بیرونی ممالک کو برآمد کیا جاتا ہے۔

سندابور (جس کو پرتگالی سیاح سنجم لکھتے ہیں اور جو ضلع تھانہ میں دمن کے جنوب میں واقع ہے) کا ذکر ایک معاصر سیاح کے حوالہ سے کرتے ہیں کہ تھانہ سے سندابور کا سفر تین دن کے عرصہ میں طے ہوتا ہے۔ یہ بحر عرب میں جزیرہ ہے۔ ابن بطوطہ کے مطابق سندابور جزیرے کے اندر دو شہر آباد تھے۔ ایک پرانا شہر تھا جس کو زمانہ قدیم میں ہندوؤں نے آباد کیا تھا دوسرا شہر مسلمانوں نے اپنی فتح کے بعد آباد کیا تھا۔ ابن بطوطہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے شہر میں ایک عظیم جامع مسجد ہے جو کہ بغداد کی مسجدوں کے طرز پر تعمیر کی گئی ہے۔

پنجاب کے شہروں میں جنوبی ہندوستان کے شہروں کے بعد لاہور کا ذکر کرتے ہیں اور اس کو ایک عظیم شہر بتاتے ہیں۔ حالانکہ ابوالفدار کے زمانہ میں لاہور اپنی اہمیت کھو چکا تھا کیونکہ ۱۲۴۱ء میں اس کو منگول حملہ آوروں نے تباہ کر دیا تھا۔ اس تباہی کے بعد لاہور پندرہویں عیسوی کے نصف اول تک اپنی کھوئی ہوئی عظمت حاصل نہیں کر سکا۔ پندرہویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں یہ لودی سلاطین کے زمانہ میں دوبارہ ایک شہر کی شکل میں ابھرا۔ لیکن ۱۲۴۱ء سے پہلے لاہور شمالی ہندوستان کا سب سے عظیم شہر تھا۔ بارہویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں غزنوی سلاطین کا پایہ تخت ہو گیا تھا کیونکہ ترکوں کا غزنی پر قبضہ ہو گیا تھا اور غزنی کے باشندے ان کے تشدد اور لوٹ مار سے بچنے کے لیے لاہور کے لیے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ ان میں علماء اور فضلاء کے علاوہ تجار بھی تھے لہٰذا ان سب کی آمد سے لاہور تجارت، علم اور دانش کا مرکز بن گیا تھا۔ یہ لاہور کی شان اور عظمت بھی تھی کہ اس کو سلطان معز الدین محمد بن شام (یعنی شہاب الدین غوری) نے اپنی فتح کے بعد ۱۱۸۱ء میں اپنا موسم سرما کا پایہ تخت بنایا۔ موسم گرما میں اس کا پایہ تخت غزنی ہی رہتا تھا؟ چونکہ اس زمانہ میں دہلی ایک چھوٹا سا قصبہ اور پرگنہ کا غیر اہم مرکز تھا لہٰذا ۱۲۰۶ء میں سلطان معز الدین محمد بن سام کے قتل کے بعد اس کے ہندوستان

میں غُلام سپہ سالار ملک قطب الدین نے بھی لاہور ہی کو اپنے پایۂ تخت کے لیے منتخب کیا۔[۱۰] دراصل ابو الفداء کا لاہور کے بارے میں بیان منگولوں کی تاخت سے قبل کے لاہور پر صادق آتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کو دولت سے پُر اور علماء اور فضلا کا مرکز بتاتے ہیں۔

شہر دِلی (دہلی) کا تذکرہ بھی تاریخی اہمیت سے خالی نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ اُن کے تذکرہ دہلی کا اطلاق تیرہویں صدی عیسوی کے اِلباری ترک سلاطین کی دہلی پر ہوتا ہے۔ ابو الفداء کے معاصر خلجی اور تغلق سلاطین کے عہد میں دہلی زیادہ وسیع اور خوبصورت شہر ہو گیا تھا چودھویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں پرانی دہلی کے باہر زیادہ خوشنما شہر آباد ہو گئے تھے۔ بہرحال وہ لکھتے ہیں کہ دلی ایک عظیم شہر ہے۔ اس کی شہر پناہ پختہ اینٹوں سے تعمیر کی گئی ہے۔ یہ شہر ایک میدان میں آباد ہے لیکن زمین ریتیلی اور پتھریلی ہے۔ شہر سے ایک فرسخ (تین میل کا فاصلہ) پر ایک بڑا دریا بہتا ہے جو کہ فرات سے کچھ کم ہے۔ سیّاحوں کے مطابق دلی کے زیادہ تر باشندے مسلمان ہیں اور یہاں کا حکمران بھی مسلمان ہے۔ دِلی میں مسلمانوں کے ساتھ ہندو بھی آباد ہیں۔ یہاں باغات بھی ہیں لیکن انگور کی کاشت نہیں ہوتی۔ بارش موسم گرما میں ہوتی ہے۔ دِلی سے سمندر بہت طویل فاصلہ پر ہے۔ یہاں سے نہلوارہ (گجرات) کا سفر ایک ماہ میں طے ہوتا ہے۔ پھر دِلیّ کے قطب مینار کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "یہاں کی جامع مسجد کا منارہ اس قدر اونچا اور شاندار ہے کہ اُس کا ثانی روئے زمین پر نہیں ملتا۔ اس کے اوپر چڑھنے کے لیے اس کے اندر تین سو ساٹھ سیڑھیاں ہیں۔ اس کی اونچائی اتنی ہی زیادہ ہے کہ جتنی اسکندریہ کے روشنی کے منارے کی ہے۔"

ابو الفداء کے برعکس اُن کے معاصر اور ہم وطن شہاب الدین العمری نے اپنی تالیف "مسالک الابصار فی ممالک الامصار میں ہندوستان سے متعلق ابواب کی تکمیل کے لیے بڑی چھان بین کے ساتھ سیاحوں اور قدیم لٹریچر سے مواد اکٹھا کیا۔ لہٰذا ان کی کتاب ہمارے ہندوستانی فارسی ماخذ میں درج تاریخی مواد میں بہت اہم اضافہ کرتی ہے۔ العمری کو اطلاع بہم پہنچانے والے سیاحوں میں عرب تجار اور ہندوستانی زائرین دونوں شامل تھے۔ لہٰذا وہ ہر بات کی تصدیق مختلف ذرائع سے کرتے تھے اور جب ان کو رپورٹ کے صحیح ہونے کی پوری تصدیق ہو جاتی تھی تب اس کو ہندوستان سے متعلق باب میں

شامل کرتے تھے[۱۱] مثال کے طور پر وہ سلطان محمد بن تغلق شاہ کی دلی کے بارے میں لکھتے ہیں "میں نے شیخ مبارک سے شہر دلی اور اس کی بناوٹ اور دیگر حالات کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ کئی شہروں کا مجموعہ ہے جس کے ہر شہر کا ایک مستقل اور جانا بوجھا نام ہے لیکن عملاً دلی کا اطلاق سارے مجموعہ پر ہونے لگا ہے۔ دلی طول و عرض میں دور تک پھیلی ہوئی ہے اس کی آبادی کا دور چالیس میل ہے۔ عمارتیں پتھر اور اینٹ کی ہیں چھتیں لکڑی کی اور فرش مرمر جیسے ایک پتھر کے۔ دلی کے مکان زیادہ سے زیادہ دو منزلے ہوتے ہیں۔ مرمر کا فرش صرف شاہی عمارتوں میں لگایا جاتا ہے شیخ ابو بکر بن خلاّل نے کہا کہ یہ پرانی دلی کے مکانات کا خاکہ ہے، وہاں جو نئی بستیاں وجود میں آئی ہیں اُن کے مکانوں کا انداز مختلف ہے۔ اس وقت دلی کا اطلاق اکیس شہروں پر ہوتا ہے[۱۲] یہاں باغ ایک سیدھے خط پر برابر برابر لگائے جاتے ہیں۔ ہر خط کی لمبائی مشرق، شمال اور جنوب میں بارہ میل ہے، غربی سمت میں باغ نہیں ہیں کیونکہ ادھر (اراولی) پہاڑ کا سلسلہ ہے۔

"دلی میں ایک ہزار اسکول ہیں، اُن میں ایک کو چھوڑ کر جہاں شافعی فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے باقی سب حنفی مذہب ہیں۔ ہسپتال لگ بھگ ستر ہیں، یہاں بیمارستان (ہسپتال) کو دارالشفاء کہتے ہیں۔

دلی اور اُس کے ماتحت علاقوں میں دو ہزار خانقاہیں (یعنی سرائیں) ہیں۔ شہر میں بڑی بڑی عمارتیں، لمبے چوڑے بازار اور بڑی تعداد میں حمام ہیں، شہر کا سارا پانی کنووں سے نکالا جاتا ہے جو زیادہ گہرے نہیں ہوتے، اُن کی زیادہ سے زیادہ گہرائی چودہ فٹ ہوتی ہے۔ یہاں وہ جامع مسجد ہے جس کا منارہ اذان مشہور ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ روئے زمین پر بلندی میں اس کی نظیر نہیں ہے[۱۳]

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ابن بطوطہ کا سفرنامہ مسالک الابصار فی ممالک الامصار کی طرح بہت اہم ماخذ ہے۔ اس نے ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ثقافت کی جو تصویر پیش کی ہے وہ گلہائے رنگارنگ کی مانند ہے چونکہ اس کا بیان چشم دید واقعات پر مبنی ہے لہٰذا وہ مسالک الابصار اور تقویم البلدان کے مواد میں اضافہ ہی نہیں کرتا بلکہ اس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

# حواشی

۱؎ ابوالفداء (م ۱۳۳۱ء) کی تالیف تقویم البلدان کو ایم۔ رینا د (M. Reinaud) نے ۱۸۴۰ء میں پیرس سے شائع کیا۔ اس میں مختلف ممالک کے جغرافیائی اور ثقافتی حالات بیان کیے گئے ہیں۔ موجودہ مقالہ میں ہندوستان سے متعلق باب کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ تقویم البلدان کے متن کے علاوہ پروفیسر مقبول احمد کا انگریزی مقالہ جو کہ میڈیول انڈیا کوارٹرلی، علی گڑھ ۱۹۵۷ء نمبر ۳ اور ۴ میں شائع ہوا تھا سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۲؎ عہد وسطیٰ کے عربی اور فارسی لٹریچر میں خطہ ایک اصطلاح کے طور پر آتا ہے جس کے معنی ولایت یا صوبہ کے ہوتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے راقم الحروف کا مقالہ Evolution of the vilayet, the Shiqq and the Sarkar during the Delhi Sultanat Period, Medieval India, Quarterly, Aligarh nos. 1–4, 1963.

۳؎ سراجی خراسانی، دیوان سراجی خراسانی، مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد، علی گڑھ، ۱۹۷۵ء ص ص۔ ۲۶۶، ۶۴۵۔ سراجی خراسانی نے مکران کے سلطان تاج الدین ابوالمکارم کی تعریف میں کئی قصیدے لکھے تھے۔ منہاج سراج جوزجانی نے اپنی طبقات ناصری میں مکران کے فرمانروا کو سلطان غیاث الدین محمد بن سام کے تحت بتایا ہے۔ طبقات ناصری، جلد اول، کابل ۱۹۶۳ء ص ۳۶۸۔

۴؎ سندھ کی فتح کے بیس سال بعد محمد بن قاسم الثقافی کے بیٹے عمر و نے المنصورہ کو آباد کیا تھا جو کہ جلد ہی ترقی کر کے مسلم سندھ کا مرکزی شہر بن گیا تھا۔ ملاحظہ کیجئے نبی بخش بلوچ کا مقدمہ اور تبصرہ فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ میں۔ علی کوفی، فتح نامہ سندھ (عرف چچ نامہ، اسلام آباد) ۱۹۸۲، ص۔ ۲۱،

۵؎ اور شہر راجہ داہر کا پایہ تخت تھا اور سندھ کے کنارہ آباد تھا۔ یہ موجودہ سکر سے کچھ فاصلہ پر تھا۔ ملاحظہ کیجئے، نبی بخش بلوچ، فتحنامہ سندھ (چچ نامہ) تعلیقات انگریزی ص۔ ۸۱۔

۶؎ ابن بطوطہ، عجائب الاسفار، مترجم مولوی محمد حسین، اسلام آباد، ۱۹۸۳، جلد دوم، ص ۱۷ تا ۱۸۔

۷؎ ایضاً۔ ص ۲۸۶ تا ۲۸۷۔

۸؎ ایضاً ص ۲۸۴ تا ۲۸۶۔

۹؎ طبقات ناصری، جلد اول، ص ۴۰۵۔

۱۰؎ ایضاً ص ۱۷۴، نیز تاریخ فرمدبر، مرتبہ ڈینیسن راس، لندن، ۱۹۲۷ء، ص ۳۰ تا ۳۱۔

۱۱؎ شہاب الدین العمری کی تالیف مسالک الابصار فی ممالک امصار کے ہندوستان سے متعلق دو ابواب کو خورشید احمد فارق نے تصحیح اور اردو ترجمہ کے ساتھ ۱۹۴۱ء میں ندوۃ المصنفین دہلی سے 'تاریخ ہند پر نئی روشنی' کے نام سے شائع کیا۔ اس مقالہ میں حوالے اسی ترجمہ سے دیے گئے ہیں۔

۱۲؎ سلطان محمد بن تغلق شاہ کے عہد (۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۱ء) تک اباری ترک سلاطین کی دلی جو کہ قطب مینار کے اردگرد آباد تھی اس کے علاوہ شہر نو (نیکو کھڑی کے نزدیک) آباد ہوا تھا جو کہ جمنا کے قریب واقع تھا۔ شہر نو سلطان معز الدین کیقباد (م ۱۲۹۰ء) اور سلطان جلال الدین خلجی (م ۱۲۹۶ء) کا دارالخلافہ تھا۔ شہر نو مکمل شہر سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں ہوا تھا۔ اس کے بعد سلطان علاء الدین خلجی (م ۱۳۱۶ء) نے سری میں نیا اور خوبصورت شہر تعمیر کیا اور اس کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ سلطان غیاث الدین تغلق شاہ (۱۳۲۰ء تا ۱۳۲۴ء) نے اپنے لیے تغلق آباد تعمیر کیا جس کے کھنڈرات اس کی عظمت کا پتہ دے رہے ہیں۔ اس کے بیٹے محمد بن تغلق شاہ نے اپنی تخت نشینی کے بعد تغلق آباد کے مقابل نیا دارالخلافہ عادل آباد جس کو جہاں پناہ بھی کہتے تھے تعمیر کیا۔ یہ پانچ شہر تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ العمری نے وہ دیہات اور شہر پناہ کی بستیوں کو بھی شہروں کے مجموعہ میں شامل کر لیا ہے۔ کہ جو یا تو شہر پناہ کے اندر آ گئے تھے یا شہر پناہ کے باہر امرا، سوداگروں اور روساء کے محلات کے اردگرد آباد ہو گئی تھیں۔ ابن بطوطہ نے شہر پناہ کے باہر روساء کے محلات کا ذکر کیا ہے۔ سرایور کوچہ میں سید ابوالحسن عبادی عراقی کا محل تھا جس میں رات ہونے اور شہر کے دروازے بند ہونے کی وجہ سے ابن بطوطہ کو ٹھہرنا پڑا تھا۔ دیکھئے عجائب الاسفار، جلد دوم، ص ۲۱۹

۱۳؎ تاریخ ہند پر نئی روشنی، مترجم خورشید احمد فارق، ص ص ۱۳ تا ۱۴۔


اسلامی معاشرت پر مولانا سید جلال الدین عمری کی ایک قیمتی اور اہم کتاب

**مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں**

صفحات : ۶۰ قیمت : ۶ روپے

اس وقیع کتاب کا انگریزی ترجمہ MUSLIM WOMEN: ROLE AND RESPONSIBILITIES کے نام سے شائع ہوا ہے۔ انگریزی جاننے والے قارئین کے لیے ایک تحفہ۔ صفحات ۶۰، قیمت : ۲۰ روپے

ملنے کا پتہ : مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

بحث ونظر

# اہلِ کتاب
# مسلمانوں کے لیے نمونۂ عبرت

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اہلِ کتاب - یہود و نصاریٰ - پر اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی انعامات و احسانات کیے۔ پھر ان سے شریعتِ الٰہی پر عمل کا عہد لیا۔ مگر انھوں نے ناشکری کی، عہدِ الٰہی کو توڑا اعتقادی، عملی اور اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہوئے اور فتنہ و فساد برپا کیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی عنایات سے محروم کر دیا۔ ان پر اپنا غضب نازل کیا۔ دنیا میں بھی انھیں دردناک سزا دی اور آخرت میں بھی عذاب کی وعید سنائی۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ان کا تذکرہ بہت تفصیل سے آیا ہے۔ اس میں مسلمانوں کے لیے واضح اشارہ ہے کہ ان کی تاریخ سے سبق لیں اور جن برائیوں کا وہ شکار ہوئے ان سے بچیں۔ اگر انھوں نے بھی انہی کی طرح کا رویہ اپنایا تو ان کا بھی وہی حشر ہوگا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت کاملہ ہے کہ اس نے محض اشارہ پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ صاف اور صریح الفاظ میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کا رویہ اختیار کرنے سے منع کیا۔ اس نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کو اہلِ کتاب کے ان رویوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا جن کی وجہ سے ہلاکت و بربادی، خسران اور عذاب ان کا مقدر ہوا۔ اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو ان مظاہر سے دور رہنے کی تاکید کی جن کی وجہ سے گزشتہ امتیں ہلاک ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کی مستحق ٹھہریں۔ یہ آیات اور احادیث مسلمانوں کے لیے سمتِ سفر متعین کرتی اور نشاناتِ منزل کا پتا دیتی ہیں۔ اہلِ کتاب کے وہ کیا رویے تھے جن سے احتراز کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں ان سے بحث کی گئی ہے۔

## ۱۔ خدا فراموشی

بنی اسرائیل کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے زندگی کے معاملات میں الٰہی شریعت کو پسِ پشت ڈال دیا تھا اور خدا فراموش انسانوں کی طرح، اپنی عاقبت، نفع و نقصان اور خیر و شر سے بے پروا ہو کر ہر قسم کی غلط کاریوں میں مبتلا ہو گئے تھے۔ قرآن نے مسلمانوں کو اس روش سے دُور رہنے کی تاکید کی اور انھیں اللہ سے ڈرتے رہنے اور اپنی عاقبت سنوارنے کی فکر کرتے رہنے کی ہدایت کی:

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ، وَاتَّقُوا اللَّهَ، إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ، أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ | اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً تمہارے ان سب اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انھیں خود اپنا نفس بھلا دیا۔ یہی لوگ فاسق ہیں۔ |
| (الحشر: ۱۸—۱۹) | |

پہلی آیت میں مسلمانوں کو اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہنے اور روزِ آخرت کے لیے تیاری کرتے رہنے کی تاکید کے ساتھ اللہ سے ڈرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ایک ہی آیت میں دو مرتبہ "وَاتَّقُوا اللّٰہ" (اللہ سے ڈرو) آیا ہے۔ اس سے اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے معاً بعد ان لوگوں کا کردار پیش کیا گیا ہے جنھوں نے اس معاملہ میں انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویّہ اپنایا۔ وہ اللہ کو بھول گئے۔ جزا اور سزا کی کوئی پرواہ نہ کی اور فسق و فجور میں جا پڑے۔ علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں: "اللہ کو بھولنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا جو حق ان پر واجب تھا اس کی ادائیگی انھوں نے ترک کر دی"۔[1]

خدا فراموشی کے نتیجے میں انسانی زندگی میں کیا تبدیلیاں آجاتی ہیں اس کی تشریح مولانا

---

[1] تفسیر جامع البیان طبری (قدیم ایڈیشن) المطبعۃ المیمنیۃ مصر۔ جزء/ ۲۸ ص/ ۳۳

مودودیؒ نے بہت اچھے انداز میں کی ہے:

"خدا فراموشی کا لازمی نتیجہ خود فراموشی ہے۔ جب آدمی یہ بھول جاتا ہے کہ وہ کسی کا بندہ ہے تو لازماً وہ دنیا میں اپنی ایک غلط حیثیت متعین کر بیٹھتا ہے اور اس کی ساری زندگی اسی بنیادی غلط فہمی کے باعث غلط ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح جب وہ یہ بھول جاتا ہے کہ وہ ایک خدا کے سوا کسی کا بندہ نہیں ہے تو وہ اس ایک کی بندگی تو نہیں کرتا جس کا وہ درحقیقت بندہ ہے، اور ان بہت سوں کی بندگی کرتا رہتا ہے جن کا وہ فی الواقع بندہ نہیں ہے۔ یہ پھر ایک عظیم اور ہمہ گیر غلط فہمی ہے جو اس کی ساری زندگی کو غلط کر کے رکھ دیتی ہے۔ انسان کا اصل مقام دنیا میں یہ ہے کہ وہ بندہ ہے، آزاد و خود مختار نہیں ہے اور صرف ایک خدا کا بندہ ہے۔ اس کے سوا کسی اور کا بندہ نہیں ہے۔ جو شخص اس بات کو نہیں جانتا وہ حقیقت میں خود اپنے آپ کو نہیں جانتا اور جو شخص اس کو جاننے کے باوجود کسی لمحہ بھی اسے فراموش کر بیٹھتا ہے اسی لمحے کوئی ایسی حرکت اس سے سرزد ہو سکتی ہے جو کسی منکر یا مشرک، یعنی خود فراموش انسان ہی کے کرنے کی ہوتی ہے۔ صحیح راستے پر انسان کے ثابت قدم رہنے کا پورا انحصار اس بات پر ہے کہ اسے خدا یاد رہے۔ اس سے غافل ہوتے ہی وہ اپنے آپ سے غافل ہو جاتا ہے اور یہی غفلت اسے فاسق بنا دیتی ہے"[1]

اسی لیے اہل ایمان سے مطلوب یہ ہے کہ ان کے دل صبح و شام ذکرِ الٰہی سے معمور رہیں اور انھیں ہر دم یومِ حساب کا استحضار رہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے ایک مرتبہ خطبہ دیا تو فرمایا:

"کیا تم نہیں جانتے کہ صبح و شام تمہارا چلنا پھرنا ایک مقررہ مدت تک ہے۔ اس لیے تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ اسے جب تک مہلتِ عمل ملی ہوئی ہے وہ اللہ کی رضا ہی کے کام کرتا رہے اور ایسا بس توفیقِ الٰہی سے

---

[1] تفہیم القرآن۔ مولانا مودودیؒ، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ جلد پنجم طبع اول ۱۹۷۱ء صفحہ ۴۱۰ — ۴۱۱

ہی ممکن ہے۔ ماضی میں کچھ لوگ ایسے گزرے ہیں جنھوں نے اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھایا جو انھیں حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے کہ تم بھی ان جیسے ہو جاؤ۔"

اس کے بعد آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ۔" [1]

## ۲۔ انبیاء کی اذیت رسانی

بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے کثرت سے انبیاء بھیجے مگر ان کی فطرت اتنی مسخ ہو چکی تھی کہ انھوں نے اس پر سجدۂ شکر بجا لانے اور انبیاء کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کے بجائے قدم قدم پر سرتابی کی اور اپنی تہمتوں، شکایتوں اور درپردہ سازشوں سے انھیں جسمانی اور ذہنی اذیتیں پہنچائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے سب سے بڑے محسن تھے۔ انھوں نے سیکڑوں برس کی ذلت آمیز غلامی سے انھیں نجات دلائی تھی اور آزادی اور ایمان کی زندگی گزارنے کا موقع فراہم کیا تھا مگر انھوں نے قدم قدم پر ان کی نافرمانی کی اور اپنی زبان درازیوں کے ذریعہ ان کی دل آزاری کرتے رہے۔ بائبل میں متعدد مقامات پر بنی اسرائیل کی اس روش پر حضرت موسیٰؑ نے بڑے دردانگیز الفاظ میں اپنے رنج و غم کا اظہار فرمایا ہے۔ [2]

قرآن مجید میں بھی ان کا یہ شکوہ موجود ہے:

| | |
|---|---|
| وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَد تَّعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ (الصف: ۵) | اور یاد کرو موسیٰ کی وہ بات جو اس نے اپنی قوم سے کہی تھی کہ اے میری قوم کے لوگو تم کیوں مجھے اذیت دیتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ |

---

[1] تفسیر القرآن الکریم، ابن کثیر، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۷ء، ۴/ ۳۴۲

[2] مثال کے طور پر دیکھئے درج ذیل مقامات: خروج باب ۵: ۲۰-۲۱، باب ۱۴: ۱۱-۱۲، باب ۱۶: ۲-۳ باب ۱۷: ۳، ۴ گنتی باب ۱۱: ۱-۱۵، باب ۱۴: ۱-۱۰، باب ۱۶ مکمل باب ۲۰: ۱-۵

قرآن کریم نے بنی اسرائیل کی ایذا رسانیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان کی روش سے بچنے کی تاکید کی ہے:

| | |
|---|---|
| يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا | اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان لوگوں کی طرح |
| كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ | نہ بن جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو اذیتیں دی تھیں |
| اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ | پھر اللہ نے ان کی بنائی ہوئی باتوں سے |
| اللَّهِ وَجِيهًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ | اس کی برأت فرمائی اور وہ اللہ کے نزدیک |
| آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا | باعزت تھا۔ اے ایمان لانے والو، اللہ |
| سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ | سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے |
| وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ | اعمال درست کردے گا اور تمہارے قصوروں |
| اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ | سے درگزر فرمائے گا۔ جو شخص اللہ اور اس |
| فَوْزًا عَظِيمًا ۝ | کے رسول کی اطاعت کرے اس نے بڑی |
| (الاحزاب: ۶۹-۷۱) | کامیابی حاصل کی۔ |

ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ اعمال کی اصلاح، گناہوں کی بخشش اور آخرت کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ تقویٰ کی روش اختیار کی جائے۔ درست بات کہی جائے اللہ اور رسول کی مکمل اطاعت کی جائے اور نبی کو اذیت پہنچانے سے بچا جائے۔

وہ کیا اذیت تھی جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہنچائی تھی؟ مفسرین نے اس سلسلے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ ساتھ ہی لکھا ہے کہ "یہ سب مراد ہو سکتے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر وہ تمام الزامات اور تکلیف دہ باتیں بھی جن کے ذریعہ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ کو تکلیف پہنچائی"[1] امام رازی نے اس سلسلہ کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے:

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچانے کی جو صورتیں قرآن میں مذکور ہیں، وہی کافی ہیں۔ مثلاً جب حضرت موسیٰ نے مشرک قوموں کے ساتھ لڑنے کا انھیں حکم دیا تو کہنے لگے کہ جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں لڑو۔ کوہِ طور پر پہنچے

---

[1] تفسیر طبری (قدیم) جزء ۲۲/ ۳۷، تفسیر ابن کثیر ۳/ ۵۲۱

تو کہنے لگے: ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو علانیہ نہ دیکھ لیں۔ من وسلویٰ جیسی آسمانی نعمتوں پر کچھ وقت گزر گیا تو کہنے لگے کہ ہم صرف ایک قسم کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔[1]

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے درمیان کچھ مال تقسیم کر رہے تھے۔ اس مجلس سے جب لوگ باہر نکلے تو ایک شخص نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس تقسیم میں خدا اور آخرت کا کچھ بھی لحاظ نہ رکھا۔ یہ بات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سن لی، انھوں نے جا کر حضور سے عرض کیا کہ آج آپ کے بارے میں فلاں فلاں باتیں کہی گئی ہیں۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا:

یرحم اللہ موسیٰ، قد اوذی — اللہ موسیٰؑ پر رحم کرے۔ انھیں اس سے
باکثر من ھٰذا فصبر[2] — زیادہ اذیتیں دی گئیں مگر انھوں نے صبر کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی پر اعتماد نہ کرنا، اس کے کاموں کو شک و شبہہ کی نظر سے دیکھنا، اس کی نافرمانی کرنا اور اس کے احکام پر عمل نہ کرنا ہی درحقیقت اس کو اذیت پہنچانا ہے۔ اس کا اشارہ اس بات سے بھی ملتا ہے کہ درج بالا آیات میں پہلے بنی اسرائیل کی روش سے بچنے کی تاکید کے بعد اہل ایمان کو تقویٰ کی روش اختیار کرنے اور صحیح اور درست بات کہنے کا حکم دیا گیا ہے اور انھیں بتایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں عظیم کامیابی ہے۔

## ۳۔ بے تکے سوالات

بنی اسرائیل کی تاریخ اور ان کی بداعمالیوں کی سرگزشت شاہد ہے کہ وہ احکام شریعت پر عمل کرنے میں بڑے کوتاہ تھے۔ شریعتِ الٰہی کو قبول کرنے کے معاملہ میں ان کی طبیعت شروع ہی سے حیلہ جو اور فرار پسند تھی۔ ہزار حیلہ و حجت کے بعد اگر بدرجۂ مجبوری وہ کسی حکم کو قبول کر بھی لیتے تھے تو اس کی تعمیل صحیح طریقے پر نہ کرتے تھے بلکہ اس سے گریز

---

[1] تفسیر کبیر: امام فخرالدین رازیؒ۔ المطبعۃ العامرۃ مصر ۱۳۰۸ھ ۶/۶۲۹، امام طبریؒ نے بھی ایک جگہ یہی بات لکھی ہے۔ دیکھئے تفسیر طبری (جدید ایڈیشن) طبع دارالمعارف مصر ۲/۸۲

[2] صحیح بخاری کتاب الانبیاء۔ باب بدون ترجمہ

کی راہیں تلاش کرنے میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ جب ایک معاملہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں گائے کی قربانی کا حکم دیا تو انھوں نے اس حکم کو ماننے میں لیت ولعل سے کام لیا۔ گائے کیسی ہو؟ اس کا رنگ کیسا ہو؟ عمر کتنی ہو؟ اس قسم کے بہت سے سوالات انھوں نے کر ڈالے اور جتنے سوالات وہ کرتے گئے اتنا ہی خود پھنستے گئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "اگر وہ حکم الٰہی کی تعمیل میں کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاتے۔ مگر انھوں نے اپنی طرف سے طرح طرح کے سوالات کر کے خود کو اللہ کی دی ہوئی وسعتوں اور رخصتوں سے محروم کر لیا"[1] ان کا یہی رویہ شریعت کے دیگر معاملات میں بھی تھا۔ اپنی ناعاقبت اندیشیوں کی بنا پر انھوں نے دین کی وسعتوں کو خود پر تنگ کر لیا اور اسے "اصر واغلال" کا مجموعہ بنا لیا۔

مسلمانوں کے سامنے ان کی مثال پیش کر کے انھیں تنبیہ کی گئی کہ بے تکے سوالات کر کے اپنے لیے زحمتیں پیدا نہ کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے سوالات کے جواب میں جب کوئی حکم متعین طور پر آجائے تو وہ اس پر عمل نہ کر سکیں اور نافرمانی کے مرتکب ٹھہریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ۝

(المائدہ: ۱۰۱-۱۰۲)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں لیکن اگر تم انھیں ایسے وقت پوچھو گے جب کہ قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تم پر کھول دی جائیں گی۔ اب تک جو کچھ تم نے کیا اسے اللہ نے معاف کر دیا۔ وہ درگزر کرنے والا اور بردبار ہے۔ تم سے پہلے ایک گروہ نے اسی قسم کے سوالات کیے تھے پھر وہ لوگ انہی باتوں کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے۔

عہد نبوی میں ایسے کئی واقعات پیش آئے کہ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض غیر متعلق اور لایعنی سوالات کیے جن کی دین کے معاملے میں کوئی ضرورت نہ تھی

---

[1] تفسیر طبری (جدید ایڈیشن) ۲/۱۸۶، تفسیر ابن کثیر ۱/۱۰۹

تو آپؐ نے اس پر اپنی خفگی کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح بسا اوقات انھوں نے خواہ مخواہ پوچھ پوچھ کر بعض ایسی چیزوں کا تعین کرانا چاہا جنھیں مصلحتہً غیر معین رکھا گیا تھا تو آپؐ نے اس پر بھی ان کی سرزنش فرمائی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تو فرمایا: "لوگو تم پر حج فرض کیا گیا ہے۔ اس لیے حج کرو۔" ایک شخص پوچھ بیٹھا: "کیا ہر سال اے اللہ کے رسول"؟ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے پھر یہی سوال دوہرایا۔ آپؐ پھر بھی خاموش رہے۔ جب اس نے تیسری مرتبہ یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا۔

"اگر میں ہاں کہدوں تو ہر سال فرض ہوجائے گا۔ پھر تم اس پر عمل نہ کرسکو گے۔"

پھر فرمایا:

| | |
|---|---|
| ذروني ما تركتم، فانما هلك | جن باتوں کی میں نے صراحت نہیں کی |
| من كان قبلكم بكثرة سؤالهم | ہے انھیں ویسا ہی رہنے دو۔ تم سے |
| واختلافهم على انبيائهم | پہلے کے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے |
| فاذا امرتكم بشيء فائتوا | کہ وہ الٹے سیدھے سوالات کرتے تھے |
| منه ما استطعتم، واذا | اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کرتے تھے۔ |
| نهيتكم عن شيء فدعوه[1] | میں جب تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو بقدر |
| | استطاعت اس پر عمل کرو اور جس چیز سے |
| | منع کروں اس سے رک جاؤ۔ |

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ کچھ ایسے سوالات کیے گئے جن پر آپ کو ناگواری ہوئی۔ جب سوالات کی بہتات ہوگئی تو آپ کو غصہ آگیا۔ آپ نے فرمایا: "جو پوچھنا ہے پوچھ لو" صحابہ آپ کی ناراضگی سمجھ نہ سکے۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا: "اللہ کے رسول میرا باپ کون ہے؟" آپ نے جواب دیا: "حذافہ" دوسرا شخص کھڑا ہوا اور اس نے بھی یہی سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "سالم مولیٰ شیبہ" حضرت عمرؓ نے جب آپ کے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب فرض الحج مرۃ فی العمر۔

روئے مبارک پر غصہ کے آثار دیکھے تو کہنے لگے: "ہم توبہ کرتے ہیں"۔[1]

متعدد احادیث میں لوگوں کو بلاضرورت سوال کرنے اور خواہ مخواہ ہر بات کی کھوج لگانے سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| ان اعظم المسلمین جرما | مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے |
| من سأل عن شیئ لم یحرم | جو کسی ایسی چیز کے متعلق سوال چھیڑ دے |
| فحرم من اجل مسألته[2] | جو لوگوں پر حرام نہ کی گئی ہو اور محض اس کے سوال چھیڑنے پر وہ حرام ٹھہرا دی جائے۔ |

دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| ان اللہ فرض فرائض فلا | اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض عائد کیے ہیں انھیں |
| تضیّعوها، وحرم حرمات فلا | ضائع نہ کرو۔ کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان |
| تنتهکوها، وحدّ حدودًا | کے پاس نہ پھٹکو۔ کچھ حدود مقرر کی ہیں ان |
| فلا تعتدوها، وسکت عن | سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں کے بارے |
| اشیاء من غیر نسیان فلا | میں خاموشی اختیار کی ہے حالانکہ وہ بھولا |
| تبحثوا عنها[3] | نہ تھا۔ لہٰذا ان کی کھوج نہ لگاؤ۔ |

مذکورہ آیت اور احادیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی معاملہ میں شرعی حکم کا علم نہ ہو تو وہ اسے معلوم کرنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ یہاں بلاضرورت سوال کرنے اور بال کی کھال نکالنے سے منع کیا گیا ہے۔ اہلِ ایمان پر واضح کیا جا رہا ہے کہ اگر شریعت کا کوئی حکم مجمل ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شارع سے کوئی بھول ہو گئی ہے۔ بلکہ ایسا جان بوجھ کر کیا گیا ہے تاکہ احکام کی بجا آوری میں لوگوں کے لیے وسعت رہے۔

## ۴۔ قساوتِ قلبی

احکام الٰہی کی مسلسل خلاف ورزی اور معاصی کے پیہم ارتکاب کی وجہ سے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاعتصام، باب مایکرہ من کثرۃ السوال۔
[2] صحیح بخاری حوالہ سابق، صحیح مسلم کتاب الفضائل۔
[3] مشکوٰۃ کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ بحوالہ سنن دارقطنی۔

اہلِ کتاب کے دل سخت ہوگئے تھے۔ چنانچہ اپنی کھلی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی ان کے دلوں پر خشیت طاری نہ ہوتی تھی اور وہ اطاعت و سرافگندگی کی طرف مائل نہ ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ "ان کے دل پتھر کی طرح یا اس سے بھی زیادہ سخت ہوگئے ہیں"۔ (البقرہ۔۷۴)

قرآن اہلِ ایمان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اہل کتاب کے مثل رویہ کا مظاہرہ نہ کریں۔ ان کے دل خشیتِ الٰہی سے معمور ہوں۔ ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان پر عمل کریں۔ اس نے انھیں جن نعمتوں سے نوازا ہے ان پر اس کے شکر گزار ہوں اور ایمان ان سے جو تقاضے کرتا ہے انھیں بروئے کار لائیں۔

| | |
|---|---|
| اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ | کیا ایمان لانے والوں کے لیے ابھی وہ |
| تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ | وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے |
| وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ، وَلَا يَكُوْنُوْا | ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ |
| كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ | حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں |
| قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ | کی طرح نہ ہو جائیں جنھیں پہلے کتاب دی |
| فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ | گئی تھی۔ پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی |
| مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ | تو ان کے دل سخت ہوگئے اور آج ان |
| (الحدید: ۱۶) | میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں۔ |

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو تاکید کر رہا ہے کہ وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنھیں ان سے پہلے کتاب دی گئی یعنی یہود و نصاریٰ۔ کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ، اللہ کی جو کتاب ان کے پاس موجود تھی اس میں انھوں نے تحریف کر ڈالی۔ تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالا۔ اسے پسِ پشت ڈال دیا۔ مختلف آرا اور بے بنیاد اقوال کو اختیار کر لیا۔ اللہ کے دین کے معاملے میں انسانوں کی تقلید کرنے لگے اور اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا بیٹھے۔ اس مرحلے تک پہنچ جانے کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے پھر وہ کوئی موعظت و نصیحت قبول کرتے تھے نہ کسی وعد و وعید

سے نرم پڑتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو منع کیا کہ ان سے کلی یا جزئی کسی معاملے میں مشابہت نہ اختیار کریں۔"[1]

## ۵۔ تفرقہ واختلاف

بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر بھیجے اور ان کے درمیان اپنی کتاب بھی نازل فرمائی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پیغمبروں کی براہِ راست رہنمائی اور کتاب ہدایت کی روشن تعلیمات کے نتیجے میں ان کے درمیان مزید اتحاد و اتفاق پیدا ہوتا اور وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے۔ مگر عملاً ہوا یہ کہ ان چیزوں کو انھوں نے افتراق و انتشار کا ذریعہ بنا لیا اور باہم دست و گریباں ہو گئے۔ ان میں سے نفس پرست لوگوں نے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور کتاب الٰہی کی من مانی تاویلات کیں اس طرح ایک امت مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئی۔ ان کی ہوا اکھڑ گئی۔ اطراف و جوانب کے قبائل ان پر شیر ہو گئے اور اس کے نتیجے میں صدیوں کی غلامی کا طوق ان کی گردنوں میں پڑ گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مثال بیان کرتے ہوئے اہل ایمان کو اختلاف و تفرقہ میں پڑنے سے سختی سے منع کیا۔ اپنی صفوں میں اتحاد و یگانگت اور بھائی چارگی کے جذبات پروان چڑھانے کی تاکید کی اور ان کے درمیان الفت و محبت کو اپنا احسان قرار دیا۔ فرمایا:

| | |
|---|---|
| وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ | سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو |
| جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔ وَاذْكُرُوْا | اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس |
| نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ | احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا |
| اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ | ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ |
| فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا..... | اس نے تمہارے دل جوڑ دیے |
| وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا | اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی |
| وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ | بھائی بن گئے..... کہیں تم ان لوگوں |
| الْبَيِّنٰتُ ۔ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ | کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے |

---

[1] تفسیر ابن کثیر ۴/۳۱۰

عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (آل عمران: ۱۰۳-۱۰۵)

اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے جنھوں نے یہ روش اختیار کی وہ سخت سزا پائیں گے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر صحابہ کرامؓ کو باہمی اختلاف سے منع کیا اور انھیں متنبہ کیا کہ اسی طرح اختلاف کرنے کے نتیجے میں تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہوگئی تھیں:

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ہم لوگ تقدیر کے مسئلہ پر بحث ومباحثہ میں مصروف تھے۔ یہ جان کر غصہ سے آپ کا روئے مبارک سرخ ہوگیا۔ گویا آپ کے رخساروں میں سنترہ کا رس نچوڑ دیا گیا ہو۔ آپ نے غضبناک ہوکر فرمایا:

أبهذا أمرتم أم بهذا ارسلتُ اليكم ؟ انما اهلك من كان قبلكم حين تنازعوا في هذا الامر عزمت عليكم الا تنازعوا فيه [1]

کیا تمھیں ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا مجھے تمہارے پاس اسی لیے بھیجا گیا ہے؟ تم سے پہلے کے لوگ جب اس معاملہ میں باہم جھگڑنے لگے تو انھیں ہلاک کر دیا گیا۔ میں تمھیں تاکید کے ساتھ یہ ہدایت کرتا ہوں کہ تم اس معاملہ میں تنازعہ میں نہ پڑو۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے بھائی کے ساتھ جارہا تھا۔ راستے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حجرہ کے قریب چند بزرگ صحابہ بیٹھے ہوئے ملے۔ ہم نے ان کے پاس سے ہوکر گزرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس لیے وہیں ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ وہ قرآن کی ایک آیت کے سلسلہ میں بحث کر رہے تھے۔ جب ان کے مباحثہ میں تیزی آگئی اور وہ زور زور سے بولنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ سے نکل کر باہر تشریف لائے۔ آپ کا روئے مبارک غصہ سے تمتما رہا تھا۔ آپ نے ان کے اوپر مٹی پھینکتے ہوئے فرمایا:

---

[1] جامع ترمذی۔ ابواب القدر۔ باب ماجاء فی التشدید فی الخوض فی القدر۔

مهلاً یاقوم، بهذا اهلکت الامم من قبلکم باختلافهم علی انبیائهم وضربهم الکتب بعضها ببعض۔ ان القرآن لم ینزل یکذب بعضه بعضا، بل یصدق بعضه بعضا، فما عرفتم منه فاعملوا به وما جهلتم منه فردّوه الی عالمه۔[1]

ٹھہرو اے لوگو۔ تم سے پہلے کی قومیں اسی وجہ سے ہلاک کر دی گئیں کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی موجودگی میں باہم اختلاف کیا اور اپنی الہامی کتابوں کے کچھ حصوں کو دوسرے حصوں سے ٹکرایا۔ قرآن جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کی تعلیمات میں باہم تعارض نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تصدیق کرتا ہے۔ اس لیے اس کی جو چیزیں تم پر بالکل واضح ہوں ان پر عمل کرو اور جو چیزیں واضح نہ ہوں ان کو جاننے کے لیے کسی صاحبِ علم کی طرف رجوع کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ایک شخص نے میرے سامنے قرآن کی ایک آیت تلاوت کی۔ میں نے اسی آیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے طرز پر سن رکھا تھا۔ میں اسے پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا کہ "یہ شخص فلاں آیت کو یوں پڑھ رہا ہے۔ جبکہ میں نے آپ کو دوسری طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے"۔ یہ سنتے ہی آپؐ کے روئے مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور آپؐ نے فرمایا:

کلاکما محسن، ولا تختلفوا فان من کان قبلکم اختلفوا فهلکوا[2]

تم دونوں کی بات صحیح ہے، اختلاف نہ کرو۔ تم سے پہلے کے لوگوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ اس کی پاداش میں وہ ہلاک کر دیے گئے۔

---

[1] مسند احمد ۲/۱۸۱، ۱۸۵ نیز دیکھئے صحیح مسلم کتاب العلم باب النہی عن اتباع متشابہ القرآن۔

[2] صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب بدون ترجمہ، نیز کتاب فضائل القرآن باب اقرءوا القرآن ما ائتلفت قلوبکم۔

مذکورہ بالا آیت میں جن لوگوں کے تفرقہ واختلاف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں صراحت نہیں ہے کہ وہ کون لوگ تھے؟ لیکن جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے ان سے مراد اہلِ کتاب ہی ہیں۔ امام طبریؒ نے حضرت ربیع بن انسؒ اور حضرت حسن بصریؒ سے روایت کیا ہے کہ ان سے مراد اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہیں[1] احادیث میں بھی اگرچہ عمومی تعبیر "من کان قبلکم" (تم سے پہلے کے لوگ) اختیار کی گئی ہے مگر بعض دوسری احادیث میں یہود و نصاریٰ کی صراحت ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: "تم لوگ اپنے پیشرو لوگوں کے نقشِ قدم پر چل کر رہو گے"۔ صحابہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول کیا آپ یہود و نصاریٰ کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا "اور کون؟"[2]

## ۶۔ بے اعتدالی اور غلو

اہلِ کتاب کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شریعتِ الٰہی کے معاملہ میں جادۂ اعتدال پر قائم نہیں رہ سکے تھے۔ ان میں سے یہود علی کوتاہیوں میں مبتلا تھے۔ وہ حق کو حق جانتے ہوئے اسے قبول کرنے سے پہلوتہی کرتے تھے اور شریعت کے تقاضوں سے واقف ہونے کے باوجود ان پر عمل نہیں کرتے تھے۔ اس کے برعکس نصاریٰ میں غلو پایا جاتا تھا۔ انھوں نے دین کے نام پر اپنی جانب سے بعض چیزوں کا اضافہ کر لیا تھا۔ حالانکہ ان کا دین سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ اہلِ ایمان کو یہود و نصاریٰ کی ان بے اعتدالیوں پر متنبہ کرتے ہوئے "سواء السبیل" پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے یہود و نصاریٰ کے اس افراط وتفریط پر یوں روشنی ڈالی ہے:

> "یہود حق سے کوتاہی کرنے والے اور نصاریٰ اس میں غلو کرنے والے ہیں۔ یہود کو غضبِ الٰہی کا مستحق قرار دیا گیا اور نصاریٰ کو گمراہ کہا گیا۔ اس کے متعدد ظاہری و باطنی اسباب ہیں جن کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ ان کا

---

[1] تفسیر طبری (جدید ایڈیشن) دار المعارف مصر ۷/۹۳ تفسیر آل عمران - ۱۰۵۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الاعتصام باب قول النبی لتتبعن سنن من کان قبلکم۔

حاصل یہ ہے کہ یہود کا کفر اس پہلو سے ہے کہ وہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تھے۔ حق کو جانتے تھے مگر زبانی اس کا اقرار یا اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ یا دونوں باتوں سے دور تھے اور نصاریٰ کا کفر یہ تھا کہ وہ بغیر علم کے عمل کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی جانب سے مختلف قسم کی عبادتیں مشروع کر لی تھیں۔ حالانکہ شریعت میں ان کی کوئی اصل نہ تھی۔ وہ بغیر جانے بوجھے اللہ کے بارے میں من گھڑت باتیں کہتے تھے۔ اسی لیے ہمارے اسلاف۔ مثلاً حضرت سفیان بن عیینہؒ وغیرہ۔ فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارے جن علماء میں فساد آجاتا ہے ان میں یہود سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے اور جن عبادت گزاروں میں فساد پیدا ہو جاتا ہے وہ نصاریٰ کے مشابہ ہو جاتے ہیں"۔[1]

یہودیت اور نصرانیت کی ان بے اعتدالیوں کے مقابلے میں اسلامی شریعت کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں توازن، اعتدال اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس میں زندگی کے کسی پہلو میں افراط ہے نہ تفریط۔ اس میں دین کے کسی معاملہ میں غلو سے کام لینا اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے حدود سے تجاوز کرنا اتنا ہی ناپسندیدہ اور مذموم ہے جتنا احکام الٰہی پر عمل کرنے میں کوتاہی کرنا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سابقہ امتوں کی بے اعتدالیوں سے خبردار کیا ہے اور شریعت کے معاملہ میں افراط یا تفریط میں مبتلا ہونے سے ڈرایا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطابؓ بعض اہل کتاب سے حاصل شدہ ایک تحریر لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اسے دیکھ کر غصہ کا اظہار کیا اور فرمایا:

| | |
|---|---|
| امتھوّکون انتم کما تھوّکت الیھود والنصاریٰ ؟ لقد جئتکم بھا بیضاء نقیۃ[2] | کیا تم اسی طرح حیران اور سرگرداں رہنا چاہتے ہو جس طرح یہود اور نصاریٰ ہوئے؟ میں تو تمہارے پاس روشن اور پاکیزہ شریعت لے کر آیا ہوں۔ |

دین میں قطع و برید اور تحریف کے سلسلہ میں نصاریٰ کا معاملہ یہود سے زیادہ خطرناک

---

[1] اقتضاء الصراط المستقیم۔ ابن تیمیہ، تحقیق ڈاکٹر ناصر بن عبدالکریم العقل طبع اول ۱۴۰۴ھ جلد اول ص ۶۷

[2] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ بحوالہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان۔

تھا۔ یہود کا جرم تو یہ تھا کہ انھیں جو احکام و فرامین دئے گئے تھے انھیں برحق جانتے ہوئے بھی ان پر عمل میں کوتاہی برتتے تھے۔ اس کے بالمقابل نصاریٰ نے شریعت میں اپنی جانب سے اضافہ کرلیا تھا اور جن چیزوں کی اس میں کوئی اصل نہیں تھی انھیں محض خوشنودیٔ رب کے مفروضہ کے تحت اپنے اوپر لازم کرلیا تھا۔ اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر ان کے اس رویہ کی مذمت کی اور امت کو دین کے معاملہ میں غلو سے کام لینے اور اپنے اوپر بے جا سختیاں عائد کرلینے سے منع کیا۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایک موقع پر صحابہ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| ایاکم والغلو فی الدین فانما | دین کے معاملہ میں غلو سے بچو۔ اس لیے |
| ھلك من كان قبلكم بالغلو | کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی وجہ سے ہلاک |
| فی الدین[1] | ہوئے۔ |

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

| | |
|---|---|
| لا تطروني كما اطرت النصاری | میرے بارے میں غلو سے کام نہ لو جس طرح |
| عیسی ابن مریم، فانما انا | کہ نصاریٰ نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کے |
| عبدہ، ولكن قولوا عبدالله | بارے میں غلو کیا۔ میں تو صرف اس کا |
| ورسوله[2] | بندہ ہوں۔ مجھے صرف "اللہ کا بندہ اور رسول" کہو۔ |

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| لا تشدّدوا علی انفسكم، | اپنے آپ پر سختی نہ کرو ورنہ اسے تم پر |
| فیشدد علیكم، فان قوما | مسلط کردیا جائے گا۔ کچھ لوگوں نے اپنے |
| شدّدوا علی انفسهم، فشدّد | اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سختی کو |

---

[1] مسند احمد ۱/۲۱۵، سنن ابن ماجہ ابواب المناسک باب قدر حصی الرمی۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب واذکر فی الکتاب مریم۔

| | |
|---|---|
| اللّٰہ علیہم، فتلك بقایاهم | ان پر مسلط کر دیا۔ آج خانقاہوں اور کٹیوں |
| فی الصوامع والدیار | میں جو لوگ پائے جاتے ہیں وہ انہی جیسے |
| رَهْبَانِيَةً ابْتَدَعُوهَا | ہیں۔ ارشاد ہے: "اور رہبانیت انھوں نے |
| مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ [1] | خود ایجاد کر لی۔ ہم نے اسے ان پر فرض نہیں |
| | کیا تھا۔" |

احادیث میں جہاں یہود اور نصاریٰ کی سی بے اعتدالیوں سے بچنے کا عمومی انداز میں حکم دیا گیا ہے۔ وہیں بعض ایسے مظاہر سے بھی اجتناب کی تاکید کی گئی ہے جو ان امتوں کا خاصہ بن چکے تھے اور جنھیں انھوں نے اپنی مرضی سے اپنے اوپر عائد کر لیا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو ان خود ساختہ بندشوں اور بیڑیوں سے نجات دلائی، انھیں شریعت کی وسعتوں سے مستفید ہونے کا حکم دیا اور دین کے نام پر بے جا سختی برتنے سے منع کیا۔ ذیل میں ایسے چند مظاہر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

## أ۔ ماکولات ومشروبات

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی غذائی ضروریات کی تکمیل کے لیے کھانے پینے کی تمام پاک چیزیں حلال کی ہیں (المائدہ ۔۴) لیکن گزشتہ امتوں نے تقویٰ اور پرہیزگاری کے غلط تصور کے تحت بعض چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس سلسلہ میں نصاریٰ نے بہت زیادہ غلو سے کام لیا۔ ان میں راہبوں اور راہباؤں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جس نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے بیابانوں، جنگلوں اور غاروں کو اپنا مسکن بنایا اور نفس کشی کو انسانیت کی معراج سمجھتے ہوئے بہت سی نعمتوں سے خود کو محروم کر لیا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رجحان پر ضرب لگائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا حکم دیا ہے۔ حضرت قبیصہ بن ہلبؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ "ایک شخص نے خدمت نبوی میں عرض کیا کہ "کھانے کی فلاں چیز میں

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب باب فی الحسد۔

ناپسند کرتا ہوں۔" آپؐ نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| لا یتخلّجنّ فی نفسك شی | تمہارے دل میں کوئی ایسی بات نہ آنے پائے |
| ضارعت منه النصرانیة [1] | جس سے تمہارا عمل نصرانیت کے مشابہ ہو جائے۔ |

## ب۔ دوران حیض عورتوں کے ساتھ معاشرت

عورتیں ہر ماہ حیض کی شکل میں ایک مخصوص منافع الاعضائی (Physiological) حالت سے دوچار ہوتی ہیں۔ بعض قومیں اس حالت میں عورتوں کو سراپا ناپاکی تصور کرتی ہیں۔ چنانچہ وہ انھیں بالکل الگ تھلگ کر دیتی ہیں اور بالکل اچھوت بنا دیتی ہیں۔ یہود کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ یہود دوران حیض اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت کرتے تھے اور نہ انھیں کھانے پینے میں شریک رکھتے تھے۔ صحابہ نے اس مسئلہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

| | |
|---|---|
| وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ | پوچھتے ہیں، حیض کا کیا حکم ہے؟ کہو وہ ایک |
| قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ | گندگی کی حالت ہے۔ اس میں عورتوں |
| فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ | سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ۔ |
| حَتّٰى يَطْهُرْنَ، فَاِذَا تَطَهَّرْنَ | جب تک کہ وہ پاک صاف نہ ہو جائیں۔ |
| فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ | پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس |
| اللّٰهُ | جاؤ اس طرح جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم |
| (البقرہ: ۲۲۲) | دیا ہے۔ |

اس کی تشریح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی:

| | |
|---|---|
| اصنعوا کل شی الا النکاح [2] | ہر کام کر سکتے ہو، سوائے مجامعت کے۔ |

آپؐ نے نہ صرف اپنے ارشاد کے ذریعہ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی بلکہ اس کا عملی مظاہرہ بھی کیا۔ چنانچہ متعدد امہات المومنین (مثلاً حضرت عائشہؓ، حضرت میمونہؓ اور حضرت

---

[1] سنن ابی داؤد۔ کتاب الاطعمہ باب کراہیۃ التقذر للطعام، مسند احمد ۵/۲۲۶

[2] صحیح مسلم کتاب الحیض باب جواز غسل الحائض .... الخ

ام سلمہؓ وغیرہ) نے صراحت کی ہے کہ ان کے حالتِ حیض میں رہتے ہوئے بھی اللہ کے رسول اپنے سے ان کا بستر جدا نہ کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ حالتِ حیض میں ہوتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں کنگھی کر دیا کرتی تھیں اور آپ ان کی گود میں سر رکھ کر قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ مسجد میں تھے اور حضرت عائشہ اپنے حجرہ میں تھیں آپ نے ان سے ایک کپڑا مانگا تو انھوں نے عرض کیا: "میں حیض سے ہوں" آپؐ نے فرمایا: "حیض تمہارے ہاتھ میں تھوڑے ہی ہے"۔[1]

مذکورہ مسئلہ میں یہود سے آپ کی مخالفت برائے مخالفت نہ تھی۔ چونکہ یہود کے رویہ کی نہ کوئی شرعی بنیاد تھی نہ عقلی۔ بلکہ وہ بے جا سختی پر مبنی تھا۔ اس لیے آپؐ نے اس کی کوئی رعایت نہ کی۔ البتہ چونکہ عورتیں دورانِ حیض جسمانی اور ذہنی تناؤ اور اذیت میں مبتلا رہتی ہیں اس لیے آپ نے حکم خداوندی کے مطابق اس دوران مباشرت سے منع فرمایا۔ اس کی وضاحت حضرت انسؓ کی مذکورہ روایت کے بقیہ حصہ سے ہوتی ہے۔ اس میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی اطلاع یہود کو ہوئی تو انھوں نے کہا: "یہ شخص تو ہماری ہر چیز کی مخالفت کر رہا ہے"۔ حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت عباد بن بشرؓ کو یہود کی اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی خبر دی۔ مزید یہ بھی کہا کہ کیوں نہ ہم (ان کی مخالفت میں) اپنی عورتوں سے دوران حیض مباشرت بھی کرنے لگیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ "ہم گمان کرنے لگے کہ آپ ناراض ہو گئے ہیں۔ وہ دونوں اٹھ کر چلے گئے۔ اس دوران آپ کی خدمت میں کہیں سے ہدیہ میں دودھ آیا۔ آپ نے ان دونوں کو بلا کر دودھ پلایا۔ اس سے ہم نے سمجھ لیا کہ آپ ناراض نہیں ہیں"۔[2]

## ج۔ روزہ

انسان کے باطن کی تربیت کرنے اور اس میں تقویٰ کی صلاحیت کو اجاگر کرنے

---

[1] ان تمام روایات کے لیے دیکھئے صحیح مسلم حوالہ سابق۔

[2] صحیح مسلم حوالہ سابق۔

کے لیے روزہ مشروع کیا گیا ہے۔ اس مقصد سے اسے گزشتہ امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا۔ (البقرہ - ۱۸۳) لیکن نصاریٰ نے اس معاملہ میں غلو سے کام لیتے ہوئے اسے نفس کشی کا ذریعہ بنالیا۔ وہ کئی کئی دنوں تک کھانے پینے سے احتراز کرتے اور اس طرح بھوکے پیاسے رہنے کو اعلیٰ ترین عبادت تصور کرتے تھے۔ اصطلاح میں اسے 'وصال' کہا جاتا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو صوم وصال سے صراحۃً منع کر دیا تھا۔ اگرچہ آپ خود بسا اوقات ایسا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ کے منع کرنے پر ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول آپ تو ایسا کرتے ہیں"۔ آپؐ نے جواب دیا: "میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ میرا رب رات میں مجھے کھلاتا پلاتا ہے"۔ آپؐ کے منع کرنے کے باوجود جب صحابہ اس سے باز نہیں آئے تو ایک مرتبہ آپؐ نے ان کے ساتھ دو دن مسلسل روزے رکھے۔ اس کے بعد چاند نظر آگیا تو آپؐ نے فرمایا: "اگر چاند نکلنے میں ابھی کچھ دن اور لگتے تو میں مسلسل روزہ رکھنے کے معاملہ میں تم سے آگے بڑھ جاتا"۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ بات آپؐ نے ان کی سرزنش کے انداز میں کہی تھی۔[1]

دوسری روایات سے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے حضرت بشیر بن الخصاصیہؓ کی اہلیہ لیلیٰ فرماتی ہیں کہ میں نے دو دن مسلسل روزہ رکھنے کا ارادہ کیا۔ تو میرے شوہر نے مجھے ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ "یہ نصاریٰ کا فعل ہے۔ روزہ اسی طرح رکھو جیسا اللہ عزوجل نے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ روزہ صرف رات تک رکھو۔ جب رات شروع ہو جائے تو افطار کر لو"۔[2]

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| فصل مابین صیامنا وصیام اھل الکتاب اکلۃ السحر[3] | ہمارے روزوں اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق یہ ہے کہ ہم سحری کھاتے ہیں اور وہ ایسا نہیں کرتے۔ |

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاعتصام باب مایکرہ من التعمق والتنازع والغلو فی الدین والبدع۔

[2] مسند احمد ۲۲۵/۵۔

[3] صحیح مسلم کتاب الصیام باب فضل السحور۔

## د۔ سحری اور افطار کے اوقات

اطاعت الٰہی کی روح یہ ہے کہ اس نے جس کام کو جس وقت کرنے کا حکم دیا ہے اسے اسی وقت انجام دیا جائے۔ اپنی طرف سے اوقات کو گھٹا بڑھا لینا جذبۂ اطاعت کے منافی ہے۔ اہل کتاب نے اپنی نام نہاد پارسائی کا مظاہرہ کرنے کے لیے اس کا لحاظ نہیں رکھا تھا مثلاً سورج غروب ہونے کے بعد فوراً افطار کرنے کے بجائے وہ اس میں کچھ تاخیر کرتے تھے۔ اسی طرح مغرب اور فجر کے اوقات میں بھی وہ تاخیر کر لیا کرتے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس رجحان سے منع کیا ہے اور ان میں اطاعت کی صحیح روح پیدا کرنے کے لیے ضروری ہدایات دی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| لا یزال الدین ظاھراً ما | دین اس وقت تک غالب رہے گا جب |
| عجّل الناس الفطر، لان الیھود | تک کہ لوگ افطار میں جلدی کریں گے اس |
| والنصاری یؤخرون [1] | لیے کہ یہود و نصاریٰ اس میں تاخیر کرتے ہیں۔ |

حضرت ابوعبدالرحمٰن صنابحیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میری امت میں برابر خیر باقی رہے گا جب تک کہ وہ تین چیزوں پر عمل نہ کرنے لگیں۔ (۱) یہود کی مشابہت میں مغرب میں تاریکی کے انتظار میں تاخیر کریں (۲) نصاریٰ کی مشابہت میں فجر میں ستاروں کے چھپنے تک تاخیر کریں اور (۳) جنازوں کو ان کے گھر والوں کے سر ڈال کر لاتعلقی کا مظاہرہ کریں۔" [2]

## ۷۔ حیلہ سازی

یہود اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حدود کو توڑنے اور ان کی حرمتوں کو پامال کرنے میں بڑے بے باک واقع ہوئے تھے۔ ناجائز کو جائز اور حرام کو حلال بنانے کے لیے وہ طرح طرح کے

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الصیام باب مایستحب من تعجیل الفطر۔

[2] مسند احمد ۴/۳۴۹۔

حیلے بہانے تراش لیتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ان بہانوں کو نافرمانی ہی میں شمار کیا اور انھیں دردناک سزا دی۔ مثلاً چربی کا استعمال ان کے لیے حرام قرار دیا گیا تھا۔ (الانعام: ۱۴۶) فرمانبرداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اسے اپنے کسی کام میں نہ لاتے۔ مگر انھوں نے ایک ترکیب یہ کی کہ اسے پگھلا کر اس کا روغن فروخت کر دیتے تھے اور اس طرح اس سے ہونے والی آمدنی کو اپنے کام میں لاتے تھے۔ حالانکہ حرام چیز کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے صریح حکم عدولی قرار دیتے ہوئے ان لوگوں پر لعنت بھیجی۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:

| | |
|---|---|
| قاتل اللہ الیہود، لما حرم | اللہ تعالیٰ نے یہود کو ہلاک کیا۔ اس لیے |
| اللہ شحومہا جملوہا | کہ اس نے جب ان پر چربی حرام کی تو |
| ثم باعوہا فاکلوہا [1] | انھوں نے اسے پگھلایا اور اسے فروخت |
| | کر کے اس کی آمدنی استعمال کی۔ |

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت سمرہؓ نے شراب فروخت کی ہے تو انھوں نے غصہ میں فرمایا: "اللہ سمرہ کو ہلاک کرے۔ کیا اس تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت نہیں پہنچی ہے"۔ پھر انھوں نے مذکورہ بالا ارشادِ نبوی کا حوالہ دیا۔[2]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہود پر سبت کی حرمت لازم کر دی تھی۔ شنبہ کے دن تمام دنیاوی کام ان کے لیے ممنوع تھے۔ مگر سمندر کے کنارے واقع ان کی ایک بستی نے جو مچھلیوں کی تجارت کرتی تھی، حکم عدولی کی۔ اس بستی کے لوگوں نے یہ حیلہ اختیار کیا کہ وہ جمعہ کی شام کو جا کر سمندر کے کنارے گڈھے کھود دیتے تھے۔ پانی کے بہاؤ کے ساتھ جو مچھلیاں ان گڈھوں میں آجاتی تھیں وہ دوبارہ سمندر میں واپس نہ جا پاتی تھیں۔ اس طرح شنبہ کے پورے دن مچھلیاں ان گڈھوں میں اکٹھا ہوتی رہتی تھیں جن کا اگلے دن صبح جا کر وہ شکار کر لیا کرتے تھے۔[3] اس طرح اگرچہ وہ لوگ بظاہر قانونی گرفت میں نہ آتے تھے کیونکہ وہ شنبہ کے دن

---

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ الانعام باب قولہ وعلی الذین ہادوا.... الخ

[2] صحیح مسلم۔ کتاب المساقاۃ والمزارعۃ۔ باب تحریم بیع الخمر۔

[3] مفسرین نے ان کے دیگر بہت سے حیلے ذکر کیے ہیں۔ دیکھیے تفسیر طبری (عبدیہ ایڈیشن) ۱۳/۱۸۶-۱۹۸۔ تفسیر ابن کثیر ۲/۲۵۸

کوئی کام نہ کرتے تھے۔ لیکن ظاہر ہے ان کا یہ عمل نافرمانی کے مترادف تھا۔ ان کا یہی حال زندگی کے دوسرے معاملات میں بھی تھا اور وہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی میں بڑے بے باک ہو گئے تھے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی دردناک سزا دی کہ وہ رہتی دنیا تک کے لیے نمونۂ عبرت بن گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس رویہ سے ڈرایا ہے اور احکام خداوندی کے معاملہ میں حیلہ سازی سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| لا ترتکبوا ما ارتکب الیہود | یہود جیسی حرکتیں نہ کرو کہ معمولی حیلوں سے |
| فتستحلوا محارم اللہ بادنی الحیل[1] | اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر بیٹھو۔ |

## ۸۔ پست ہمتی

اہل کتاب اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرنے کے معاملہ میں بڑے پست ہمت واقع ہوئے تھے۔ وہ پہلے ہی فرض کر لیتے کہ یہ احکام بڑے سخت ہیں اور ان پر عمل کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔ انھیں کوہ طور کے دامن میں لے جا کر اور ایک پُر ہیبت ماحول میں ان سے عہد لیا گیا کہ جو احکام اور تعلیمات انھیں دی جا رہی ہیں انھیں مضبوطی سے تھامے رہیں گے اور ان پر سختی سے عمل کریں گے۔ نیز جو باتیں ان سے کہی جا رہی ہیں انھیں غور سے سنیں گے۔ انھوں نے جواب دیا: ہم نے سن تو لیا مگر مانیں گے نہیں (البقرہ ۹۳) گویا انھوں نے ابتدار ہی میں احکام الٰہی پر عمل سے معذوری ظاہر کر دی تھی۔ اسی طرح انھیں ارض مقدس پر حملہ کر کے اسے فتح کر لینے کا حکم دیا گیا۔ مگر اس سرزمین پر قابض زور آور قوموں کا تذکرہ سن کر وہ ہمت ہار بیٹھے اور ٹس سے مس نہ ہوئے۔ (المائدہ: ۲۱۔۲۴)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو نصیحت کی ہے کہ وہ احکام الٰہی کے سلسلہ میں اہل کتاب کے مثل پست ہمتی کا مظاہرہ نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی استطاعت سے بڑھ کر انھیں کسی کام کا مکلف نہیں کیا ہے (البقرہ: ۲۸۶)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۰۷، ۲/۲۵۷

| | |
|---|---|
| لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي | آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ |
| الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ | کا ہے۔ تم اپنے دل کی باتیں خواہ ظاہر کرو |
| اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ | خواہ چھپاؤ۔ اللہ بہرحال ان کا حساب تم |
| بِهِ اللّٰهُ (البقرہ: ۲۸۴) | سے لے لے گا۔ |

تو صحابہ پر بڑا شاق گزرا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول۔ ہمیں نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ وغیرہ کا مکلف بنایا گیا ہے ان کی تو ہم استطاعت رکھتے ہیں۔ لیکن اب یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس میں جو بات کہی گئی ہے۔ اس کی تو ہم میں سکت نہیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "کیا تم لوگ اس طرح کہنا چاہتے ہو جس طرح تم سے پہلے کے اہل کتاب نے کہا تھا: "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" (البقرہ۔ ۹۳) (ہم نے سنا لیکن مانیں گے نہیں) اس کے بجائے یہ کہو: سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ[1]" البقرہ۔ ۲۸۵ (یعنی ہم نے سنا اور اطاعت قبول کی۔ مالک ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے)

معلوم ہوا کہ ایک نیک بندے کا صحیح رویہ یہ نہیں ہے کہ وہ حکم الٰہی سنتے ہی ہمت ہار بیٹھے اور یہ فرض کرلے کہ اس پر عمل کرنا اس کے بس میں نہیں۔ بلکہ درست اور مطلوب رویہ یہ ہے کہ وہ عمل کرنے کی کوشش کرے اور اس میں جو کوتاہی ہو اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان۔ باب بیان انہ سبحانہ وتعالیٰ لم یکلف الا مایطاق


## عہدِ نبویؐ کے غزوات وسرایا

ڈاکٹر وفد اقبال صاحبہ نے اس تصنیف میں اسلام کے نظریہ جہاد پر اسلامی موقف کی بے لاگ ترجمانی کی ہے اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات کا مسکت اور مدلل جواب دیا ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ صفحات ۲۴۷ قیمت ۲۵ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

# قرآن کا نظم
## اس کا ایک معجزہ

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

قرآن پاک کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ دنیا کی بہترین ادبی کتاب ہے، اس کا اسلوب بالکل جدا اور نرالا ہے جسے آسمانی ادب یا الہامی ادب کا نام دیا جاسکتا ہے، قرآن کے ادب و بلاغت کا اصل کمال یہ ہے کہ کلام کرنے والا خدائے قدوس ہے اور حرف مدعا اسی ذات کی طرف سے صادر ہوا ہے مگر انداز کلام وہ ہے جو انسان کے ذوقِ ادب، احساسِ جمال اور معیارِ لطافت کے لحاظ سے ایسی بلندیوں کو چھو رہا ہے جس کی کوئی دوسری مثال نہیں، الفاظ اور اصطلاحات وہی ہیں جو ادب عربی میں مستعمل ہیں، تشبیہیں اور استعارے جانے پہچانے ماحول سے لیے گئے ہیں، فصاحت و بلاغت کے وہی اصول برتے گئے ہیں جن کو دنیائے ادب نے تسلیم کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود قرآن اپنی ادبی خوبیوں کے لحاظ سے بالکل منفرد اور یکتا ہے۔

قرآن اگرچہ اصلاً ایک کتاب اور نوشتہ ہے۔ مگر اس میں لطفِ خطابت بھی شامل ہے جو اسے دوہرا حسن بخشتا ہے اور اس میں ذہنی نفوذ اور دل میں سرایت کر جانے کی کیفیت بڑھا دیتا ہے پھر اسی مناسبت سے اس کی ایک شان تعریف و تکرار ہے یعنی ایک ہی مضمون کو سو رنگ سے باندھا جاتا ہے، تعریف و تکرار میں اگر یکسانی ہو تو کلام دلنشیں ہونے کے بجائے اکتاہٹ پیدا کر دیتا ہے، مگر قرآن کا کوئی مقام بھی ایسا نہیں ہے جہاں قاری اکتاہٹ محسوس کرے، کہیں بات اجمال میں چھوڑ دی گئی ہے، کہیں اجمال کے کیسۂ گہر کے تسمے کھول کر موتی بکھیر دئے گئے ہیں، کہیں ذہن کو حرکت دینے کے لیے محض ہلکے سے اشارہ سے کام لیا گیا ہے، کہیں واشگاف انداز میں تہدید کی گئی ہے، اور کہیں تمثیل و استعارہ سے، کہیں چھوٹے چھوٹے جملوں اور ہلکے پھلکے الفاظ میں معانی کی جوئے شیر بہائی گئی ہے اور

کہیں پرزور الفاظ اور پرشکوہ جملوں کی صورت میں حرف مدعا ایک طوفانی ریلا بن جاتا ہے، جو جامد پتھروں کو ان کی جگہ سے اکھیڑ کر بہالے جاتا ہے[۱] کہیں نصیحت ہے کہ نکہت گل کی مانند غیر محسوس سا اثر ڈالتی ہے، کہیں زجر و توبیخ ہے کہ تیغ براں کی مانند کاٹ کر جاتی ہے، کہیں اپیل ہے، دلسوزی کے ساتھ اور کہیں تنقید ہے دردمندی کے ساتھ، پھر بار بار عبارت کا مزاج اور قوافی کا نظام بدلتا ہے، ترنم کے پیرائے بدلتے ہیں اور اس تبدیلی سے ذوق کی لطیف سطح پر خوشگوار اثرات اور نقوش ثبت ہوتے ہیں۔

قرآنی ادب میں اگرچہ سارا استدلال عقلی ہے، مگر جذبات کی قوت محرکہ کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے، عقل محض بے جان تفلسف اور جامد تصورات کی طرف لے جاتی ہے، عملی انسان بنانے اور تاریخ کو حرکت میں رکھنے کے لیے جذبہ کی قوت ناگزیر ہے۔ عقل اور جذبہ دونوں کے امتزاج ہی سے وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جسے ایمان کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن کے اسلوب پر خطابت کا غلبہ ہے، پھر یہ خطابت بھی ایک پروفیسر کے لیکچروں کی سی نہیں بلکہ ایک داعی کے خطبوں کی سی ہے جس میں دل اور دماغ، عقل اور جذبات سب سے یکساں اپیل ہوتی ہے[۲]۔ قرآن میں آپ دیکھیں گے کہ رلا دینے والی، عزم و یقین ابھارنے والی، جوش میں لانے والی، آمادۂ پیکار کرنے والی اور ایثار کی اسپرٹ پیدا کرنے والی آیات کی رنگا رنگ کیاریاں جابجا پھیلی ہوئی ہیں جن سے انسانی فطرت کا ہر گوشہ اثر لیتا ہے اور انسانی نفسیات کا ہر شعبہ ان سے زندگی پاتا ہے۔ تمام کے تمام جذبات و حسیات اس کتاب کے مطالعہ سے حرکت میں آجاتے ہیں اور ایک ہی نصب العین کے گرد مجتمع ہو جاتے ہیں[۳]۔

لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآن از اول تا آخر ایک منظم و مربوط کلام ہے جس طرح ایک سپہ سالار اپنی فوج کو مختلف ڈھنگ سے تربیت دیتا ہے، اسی طرح قرآن میں بھی ایک ہی بات مختلف طریقوں سے کہی جاتی ہے، قرآن میں ایک چیز کبھی عمود کی حیثیت سے آتی ہے، کبھی ضمنی مضمون کی حیثیت سے، کبھی وہی چیز اجمال کے ساتھ آتی ہے، کبھی تفصیل کے ساتھ، کبھی ایک چیز مؤخر اور کبھی مقدم ہوتی ہے، کبھی تنہا ہوتی ہے اور کبھی مقابل کے ساتھ، کبھی ایک چیز کے ساتھ اس کا جوڑ ہوتا ہے کبھی دوسری چیز کے ساتھ، بالکل یکساں مضمون مختلف سورتوں میں مختلف زاویوں سے سامنے آتا ہے، ظاہر ہے کہ جب ایک ہی شئی مختلف پہلوؤں سے جلوہ گر ہوگی تو اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے اور پوری طرح پہچان لینے میں دقت

نہ ہوگی، اگر ایک ادا نگاہ سے چوک گئی، دوسرا جلوہ سامنے آجائے گا قرآن مجید کی اس صفت کو ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔

كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

اسی طرح ہم پھیر پھیر کر اپنی آیات بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں۔

## نظم قرآن سے متعلق نقاط نظر

**پہلا نقطۂ نظر:** نظم قرآن کے سلسلے میں مفسرین کے تین مکاتیب ہیں اور ان تینوں میں کافی فرق موجود ہے۔ اس مکتب فکر کی نمائندگی شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ) اور علامہ شوکانی جیسے اکابر علم کرتے ہیں ان حضرات کے نزدیک قرآن مجید ایک غیر مربوط اور منتشر کلام ہے اس لیے کہ وہ وقفہ وقفہ سے مختلف حالات میں نازل ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ جو مجموعہ اس طرح تیار ہوگا اس میں کسی نظم و ترتیب کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ شیخ الاسلام لکھتے ہیں کہ "قرآن مجید بیس سال سے زیادہ لمبی مدت میں مختلف حالات کے اندر گوناگوں احکام لے کر نازل ہوا ہے اس لیے جو چیز اس طرح نازل ہوئی ہو اس میں کسی قسم کا ربط و نظم تلاش کرنا بے سود ہے"[۵]

علامہ شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ:

"تفسیر قرآن کے سلسلے میں بعض مفسرین نے ایک انوکھا اور نیا علم ایجاد کیا ہے جو نہ صرف غیر ضروری بے سود اور لاحاصل ہے بلکہ اس کا تعلق ان امور سے ہے جن پر گفتگو کرنے کی ممانعت آئی ہے، یعنی انھوں نے قرآن کریم کی موجودہ آیتوں اور سورتوں میں مناسبت اور ربط بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو تمام تر تکلفات پر مبنی ہے اور علانیہ قرآن کے ساتھ ناانصافی ہے"[۶]

لیکن ظاہر ہے کہ اس نقطۂ نظر کو کسی طرح بھی قبول نہیں کیا جا سکتا، یہ بات کسی طرح عقل میں نہیں آتی کہ ایک ایسی کتاب جو انسانی زندگی میں ہمہ جہتی انقلاب پیدا کرنے کے لیے آئی ہو اور جس کی اولین مخاطب وہ قوم ہو جو فصاحت و بلاغت میں اپنے سوا دوسری قوموں کو عجمی کہتی ہو وہ صرف چند منتشر احکام اور بکھرے ہوئے قوانین کا مجموعہ ہو، کیا عربوں کے اندر یہ انقلاب جس نے انھیں زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمان کی وسعتوں تک پہونچا دیا، بغیر دلوں

کی دنیا بدلے آگیا تھا ؟ اور کیا دلوں کا یہ انقلاب چند منتشر اور غیر مربوط احکام کے ذریعہ ممکن ہے۔

**دوسرا نقطۂ نظر:** دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید ایک منظم اور مربوط کلام ہے، اس کی موجودہ ترتیب اپنے اندر نہایت ہی حکیمانہ مناسبت اور قابل قدر موزونیت رکھتی ہے، اس مکتب فکر کے حامیوں میں علامہ ابوبکر نیشاپوریؒ (م ۳۲۴ھ) بھی ہیں جن کے متعلق علامہ سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے لکھا ہے کہ:

سب سے پہلے جس شخص نے علم مناسبت کو ظاہر کیا وہ ابوبکر نیشاپوری ہیں۔[۸۴] امام فخر الدین رازیؒ (م ۶۰۶ھ) اپنی مشہور تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ:

"قرآن کی حکمتوں کا بڑا حصہ اس کے نظم و ترتیب میں پوشیدہ ہے"[۸۵] وہ آیت وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا (حم السجدہ: ۴۴) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے جواب میں اتری ہے جو از راہِ شرارت یہ کہتے تھے کہ اگر قرآن مجید کسی عجمی زبان میں اتارا جاتا تو بہتر ہوتا، لیکن اس طرح کی باتیں کہنا میرے نزدیک کتاب الٰہی پر سخت ظلم ہے، اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ قرآن مجید کی آیتوں میں باہم دگر کوئی ربط و تعلق ہی نہیں ہے، حالانکہ یہ قرآن حکیم پر بہت بڑا اعتراض کرنا ہے، ایسی صورت میں قرآن کو معجزہ ماننا تو الگ رہا اس کو ایک مرتب کتاب کہنا بھی مشکل ہے۔[۸۶]

قاضی ابوبکر بن عربی (م ۵۴۳ھ) اپنی کتاب "سراج المریدین" میں کہتے ہیں کہ:

"آیات قرآنی کے باہم تعلق کو اس طرح سمجھنا کہ وہ ایک مسلسل اور مربوط کلام کے قالب میں ڈھل جائیں، ایک عظیم الشان علم ہے"۔[۸۷]

علامہ مخدوم مہائمی (م ۸۳۵ھ) اپنی تفسیر "تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان" کے مقدمہ میں نظم پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"یہ نظم ہی کی برکت ہے کہ میں اس کی روشنی میں ایسے نادر نکتے جمع کر سکا جن کو مجھ سے پہلے کسی جن و انس نے ہاتھ نہیں لگایا تھا"۔[۸۸]

علامہ ولی الدین ملویؒ نظم قرآن کے متعلق فرماتے ہیں:

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیتوں میں نظم و ربط اس لیے تلاش نہیں کرنا چاہیے کہ وہ مختلف وقتوں میں مختلف حالات کے تحت نازل ہوئی ہیں، وہ غلط کہتے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیتیں نزول کے

اعتبار سے بلاشبہ مختلف واقعات سے جو مختلف زمانوں میں واقع ہوئے ہیں، متعلق ہیں لیکن اپنی موجودہ ترتیب کے لحاظ سے وہ بالکل مطابق حکمت ہیں۔[۱۲]

علامہ ابوجعفر بن زبیر شیخ ابوحیان (م ۷۰۸ھ) نے اپنی کتاب "البرہان فی ترتیب سور القرآن" میں قرآن مجید کی سورتوں کی موجودہ ترتیب میں جو مناسبت ہے، اس پر روشنی ڈالی ہے اور علامہ برہان الدین بقاعی (م ۸۸۵ھ) کی "نظم الدرر فی تناسب الاٰی والسور"[۱۳] علامہ سیوطیؒ کی "تناسق الدرر فی تناسب السور"[۱۴] کا موضوع بھی قرآن کی آیتوں اور سورتوں میں نظم اور مناسبت کا بیان ہے۔ اس سلسلہ کی ایک اور قابل ذکر کتاب شیخ منور بن عبدالحمید لاہوری (م ۱۰۱۱ھ) کی "الدر النظیم" ہے جس میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کے اندر ترتیب و مناسبت کو بیان کیا گیا ہے، مصنف نے اپنی یہ کتاب قلعۂ گوالیار کے قید خانہ میں تصنیف کی تھی۔[۱۵]

مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) نے بھی مناسبت فی الآیات کے موضوع پر "سبق الغایات فی نسق الآیات" نامی ایک کتاب تصنیف کی اور اپنی تفسیر بیان القرآن میں جابجا آیات کے اندر ربط بتانے کا التزام فرمایا۔

یہ دوسرا نقطۂ نظر پہلے نقطۂ نظر کی عین ضد ہے۔ لیکن اس کے حامیوں نے قرآن پاک میں نظم و ترتیب کے متعلق جن حقائق کا انکشاف کیا ہے وہ بیشتر علمی لطائف اور ادبی نکتوں پر مشتمل ہیں، ان کا تعلق فہم قرآن پاک سے کم محسوس ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر حضرت تھانویؒ نے سورۂ بقرہ میں جہاں سے سود کا بیان شروع ہوتا ہے آیات ربوا کا تعلق اس سے پہلے کی آیتوں سے یوں بیان فرمایا ہے:

"تفصیل مضامین انفاق سے پہلے منجملہ ابواب البر کے بتیس[۳۲] حکموں کا بیان ہوا ہے۔ بعض احکام کا یہاں سے بیان ہوتا ہے اور ان بقیہ احکام کا ارتباط مضمون انفاق کے ساتھ اس سے اور زیادہ ہو گیا کہ سب احکام مثل انفاق کے مال ہی کے ساتھ متعلق ہیں، چنانچہ ربوا ظاہر ہے کہ مال سے متعلق ہے۔"[۱۶]

گویا حضرت کے نزدیک انفاق کے بعد سود کا بیان اس وجہ سے ہوا کہ دونوں کا تعلق مال سے ہے، انفاق اور سود میں یہ ربط جو حضرت نے بیان فرمایا ہے اس پر دل مطمئن نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر ذرا ٹھہر کر غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

سورۂ بقرہ میں سود سے پہلے انفاق کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے چنانچہ آیت ۲۵۴

سے ۲۷۳ تک مختلف پہلوؤں سے مسلمانوں کو انفاق پر ابھارا گیا ہے، اس کے بعد آیت ۲۷۴ سے سود کا بیان شروع ہوا ہے اور اس کا سلسلہ ۲۸۱ تک چلا گیا ہے۔

اسی طرح سورۂ آل عمران میں آیت ۹۲ سے لے کر آیت ۲۹ تک کہیں مثبت اور کہیں منفی پہلو سے انفاق کی دعوت دی گئی ہے اور آخر میں سود نہ لینے کی مرتبًا تاکید کی گئی ہے۔

یہی حال سورۂ روم میں بھی ہے، اس میں آیت ۳۹ میں سود کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ ہی صدقہ و احسان کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

قرآن کے اس نظم پر غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انفاق اور سود میں نسبت ضدین کی ہے اور فطرت کا اصول یہ ہے کہ کسی شئی کی حقیقت اس وقت تک اچھی طرح واضح نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ اس کے ضد کا بھی بیان نہ ہو، اسی اصول کی بنا پر قرآن نے اکثر چیزوں کے بیان میں یہ طریقہ ملحوظ رکھا ہے کہ ضدین کا ذکر ساتھ ساتھ کیا ہے۔ مثلاً اہل ایمان کا بیان ہے تو اس کے ساتھ اہل کفر کا بھی بیان ہوا ہے۔ جنت کا ذکر آیا ہے تو ساتھ ہی دوزخ کا بھی ذکر ہوا ہے، یہاں تک کہ یہ چیز قرآن کے نظم کی ایک خصوصیت بن گئی ہے، اسی اصول کی بنا پر قرآن نے انفاق کے ساتھ اکثر یا تو بخل کا ذکر کیا ہے یا سود خواری کا۔ مقصود یہ ہے کہ ایک کی تاریکی دوسرے کی روشنی کو اور ایک کا جمال دوسرے کی بدصورتی کو بے نقاب کر سکے۔ چنانچہ انفاق کا محرک بلند ہمتی، ہمدردی، فیاضی، ایثار اور رحمدلی ہے اور سود کا محرک بزدلی، خود غرضی، سنگ دلی اور دوسروں کی مشکلات سے فائدہ اٹھانے کی خواہش ہے۔ انفاق ضرورت مندوں کو سہارا دینا چاہتا ہے اور سود گرے ہوئے لوگوں کا خون چوسنا چاہتا ہے۔ اس لیے انسانوں کو اس کاروباری اور دنیا پرستی کی ذہنیت سے دور رہنا چاہیے، اس سے معاشرہ تباہی و بربادی کے کھڈ میں جا گرتا ہے۔

اس دوسرے طبقے کے سرخیل امام رازی ہیں، علم و فضل میں آپ کا مرتبہ سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ قرآن کے نظم و ترتیب کے سلسلے میں آپ کے خیالات اوپر گذر چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود سورۂ بقرہ کی آیت حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ (۲۲۸) کا جو نظم ماقبل سے قائم کیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیے، لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کو متعدد دینی احکام دینے کے بعد اس آیت میں نماز کا ذکر تین وجوہ سے کیا ہے، ایک یہ کہ نماز میں چونکہ

قرارت ، قیام، رکوع اور سجود پایا جاتا ہے اور معلوم ہے کہ یہ چیزیں آدمی کے اندر خاکساری اور انکساری پیدا کرتی ہیں جو تسلیم و رضا اور اطاعت کے لیے ضروری ہے، اس لیے نماز کا حکم دیا گیا تاکہ ان احکام کی تعمیل نماز کی برکت سے سہل ہو جائے جیسا کہ ایک دوسری جگہ اللہ نے فرمایا ہے "ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر" (نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے) دوسرے یہ کہ نماز بندے کے دل میں خدا کی ربوبیت کا جلال اور عظمت ابھار کر اس کے اندر تسلیم و رضا کی ایسی عادت پیدا کر دیتی ہے جس سے اطاعت و فرمانبرداری کی راہ آسان ہو جاتی ہے جیسا کہ فرمایا "استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" یعنی صبر اور نماز سے مدد لو، تیسرے یہ کہ اس سے پہلے نکاح و طلاق کے جو دوسرے احکام بیان ہوئے ہیں وہ دنیوی تھے اور اس آیت میں ایک خاص اخروی حکم یعنی نماز کی تعلیم دی گئی ہے۔[۱۷]

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی تقریباً یہی نظم بیان کیا ہے۔ البتہ گفتگو کا انداز بدل دیا ہے، فرماتے ہیں:

> "اس آیت کے آگے پیچھے طلاق وغیرہ کے احکام ہیں، درمیان میں نماز کے احکام بیان فرمانے کا اشارہ اس طرف ہے کہ مقصود اصلی توجہ الی الحق ہے اور معاشرت و اخلاق کے احکام سے علاوہ اور مصلحتوں کے، اس توجہ کی حفاظت اور ترقی بھی مقصود ہے، چنانچہ جب ان پر خدائی احکام سمجھ کر عمل کیا جاوے گا تو توجہ لازم ہوگی پھر یہ کہ ان احکام میں اول حقوق عباد بھی ہیں اور حقوق عباد کے اتلاف سے درگاہ الٰہی سے دوری ہوتی ہے۔ جس کے لوازم میں سے حق و عبد دونوں کی طرف سے توجہی ہے، چونکہ نماز میں یہ توجہ زیادہ ظاہر ہے، اس کے درمیان میں لانے سے اس توجہ کے مقصود ہونے پر زیادہ دلالت ہوگئی تاکہ عبد اس توجہ کو ہر وقت پیش نظر رکھے۔[۱۸]

ان دونوں بزرگوں نے اس آیت کے نظم کی جو شکلیں بیان کی ہیں وہ سیاق و سباق اور نظم کلام سے زیادہ میل نہیں کھاتیں۔[۱۹] قرآن کے اسلوب پر جن حضرات کی نظر ہے وہ اس حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں کہ قرآن میں جہاں کہیں احکام کا تذکرہ ہوا ہے اس کا آغاز توحید یا نماز کے ذکر سے ہوا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دین میں اصل حیثیت انہی دونوں چیزوں کو حاصل ہے اسی لیے نماز کو عماد الدین کہا گیا ہے، ساری شریعت کا قیام و بقا اسی کے قیام و

بقا، پر منحصر ہے، اللہ نے اس کو شریعت کی اقامت اور اس کی حفاظت کے لیے ایک حصار اور باڑھ کی حیثیت دی ہے۔ جو شخص اس کی حفاظت کرتا ہے گویا پوری شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور جو اسے ضائع کرتا ہے وہ پورے دین کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ پھر ان مقامات پر غور کرنے سے دوسری بات یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ سلسلۂ کلام کے خاتمہ پر عموماً وہی بات کہی جاتی ہے جو آغاز میں کہی گئی تھی، گویا یہ دونوں چیزیں دین کے لیے بمنزلۂ حصار اور شہر پناہ ہیں جو اس کو چاروں طرف سے اپنی حفاظت میں لیے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۲ سے ۳۹ تک مطالعہ کر لیجئے، جن کی ابتدا توحید کی تلقین اور شرک سے اجتناب کے حکم سے ہوتی ہے اور بیچ میں دین کی بنیادی اخلاقیات بیان ہوتی ہیں اور پھر آخر میں شرک سے دور رہنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اسی طرح سورۂ مومنون کی آیات ۱۔۹ کا مطالعہ بھی مفید ہوگا، ان آیات میں مومنین کی صفات بیان کی گئی ہیں جن کی ابتدا نماز سے ہوتی ہے اور پھر مختلف صفات کا تذکرہ کرنے کے بعد پھر اسی صفت کا اعادہ کیا گیا کہ "اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں"۔ بالکل یہی نظم سورۂ معارج کی آیات ۱۹۔۳۴ میں ہے۔ نماز ہی سے آغاز اور نماز ہی پر اختتام ہے، جس طرح ایک شہر پناہ پورے شہر کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے ہوتی ہے اسی طرح نماز دوسری تمام نیکیوں کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے ہے۔

قرآن کے اسی اسلوب کی روشنی میں جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ یہ آیت زیر بحث دراصل اسی سلسلۂ کلام سے وابستہ ہے جس کی ابتدا "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ" یعنی نماز سے ہوئی تھی اور بیچ میں بہت سے تمدنی و معاشرتی احکام بیان کرنے کے بعد پھر نماز ہی کے ذکر پر اس سلسلہ کو ختم کیا گیا ہے، اس کے بعد کی دو آیات خاتمۂ باب کے ساتھ ملحق کر دی گئی ہیں تاکہ کلام میں ان کی ترتیب سے واضح ہو جائے کہ یہ آیات اصل احکام کے بعد بطور وضاحت نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ ان کے ساتھ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ کا ٹکڑا لگا کر ان کے توضیحی آیات ہونے کی طرف اشارہ بھی فرما دیا تاکہ نظم کلام کے طالب کو ربط و ترتیب کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔[۲۰۳]

شیخ مبارک بن خضر ناگوری نے (م ۱۰۰۱ھ) اپنی تفسیر "منبع عیون المعانی و مطلع شموس المثانی" میں سورۂ والضحیٰ کا ماقبل سورہ واللیل سے جو ربط بیان کیا ہے، وہ بڑا دلچسپ ہے، فرماتے ہیں کہ "سورہ واللیل میں حضرت ابوبکرؓ کی مدح ہے اور سورہ والضحیٰ میں رسول اللہ

کی نعت ہے[۲۲] گویا ایک سورہ مدحیہ ہے اور دوسری سورہ نعتیہ اور دونوں کا ربط بالکل واضح ہے۔ بتائیے کیا یہ عجیب و غریب ربط قرآن مبین جیسی عظیم کتاب کے شایانِ شان ہے؟

اصل معاملہ یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں انفاق اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی وغم خواری پر زور دیا گیا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ سورۂ واللیل میں عطاء و بخشش پر زیادہ ابھارا گیا ہے اور سورۂ والضحیٰ میں ان اخلاقی تعلیمات کے ساتھ نہایت لطیف اور پیارے انداز میں خدا سے تعلق استوار کرنے کی ساتھ ہی ہدایت کی گئی ہے[۲۳]۔ اس طرح گویا پہلی سورہ میں تمام تر زور انفاق پر ہے اور دوسری میں حقوق العباد کے ساتھ حقوق اللہ کا بھی بیان ہے۔ جو لوگ دین کی تعلیمات سے واقف ہیں وہ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ دین پورا انہی دو تعلیمات کے گرد گھومتا ہے یعنی ایک طرف آدمی کا تعلق خدا سے مضبوط ہو، اس کی عبادت و اطاعت اور شکر و نیاز مندی ہو اور دوسری طرف عام انسانوں کے ساتھ اس کے معاملات نہایت محبت اور اخوت کے ہوں۔ اس طرح انفاق اور تعلق باللہ کی اپنی اپنی اہمیتوں کے پیشِ نظر الگ الگ دو سورتیں نازل کی گئیں ورنہ حقیقت اور مفہوم کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔

**تیسرا نقطۂ نظر:** تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں اور اس کی سورتوں میں نہ صرف یہ کہ مناسبت پائی جاتی ہے بلکہ اس کی آیتیں اور سورتیں ایک ایسے جامع اور وسیع نظام کے تحت واقع ہیں جس نے اس کی ہر سورہ کو ایک حکیمانہ خطبہ بنا دیا ہے اور اس کی چند سورتوں کے مجموعہ کو مربوط ابواب کے قالب میں ڈھال دیا ہے اور اس طرح پورا قرآن مجید شروع سے آخر تک بلحاظ سورہ بھی اور بلحاظ آیت بھی ایک مرتب، مربوط اور منضبط کلام ہے اور اس کی تمام سورتیں اور سورتوں کی تمام آیتیں باہم دگر اس طرح پیوست ہیں کہ اگر اس میں سے کسی سورہ کو یا کسی آیت کو نکال دیا جائے یا کسی سورہ کی کسی آیت کو مقدم یا مؤخر کر دیا جائے تو اس کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

نظم کلام سے متعلق یہ آخری نقطۂ نظر مولانا حمید الدین فراہیؒ اور جدید مفسرین میں ڈاکٹر عبداللہ دراز مرحوم کا ہے، مولانا فراہیؒ کی کتاب "دلائل النظام" اس موضوع پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فراہیؒ کی بعض رائیں اور ضروری خیالات یہاں نقل کر دئے جائیں تاکہ اس نقطۂ نظر کو آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکے

مولانا نے مناسبت اور نظام میں جو فرق ہے اس پر اس طرح اظہار خیال فرمایا ہے:

"یوں تو آیتوں اور سورتوں میں ربط و تناسب کے موضوع پر بعض علما کی تصنیفات موجود ہیں مگر ان میں سے کسی نے نظم قرآن کے متعلق کوئی بحث کی ہو مجھے اس کا علم نہیں، حالانکہ ان دونوں میں کھلا ہوا فرق ہے۔ تناسب علم نظام کا جزو ہے، ان کے درمیان اگر تناسب معلوم بھی ہو جائے تو اس سے پورے کلام پر وہ روشنی نہیں پڑتی جو اسے معنوی وحدت کے رشتے میں پرو کر اس کو ایک مستقل کلام کی حیثیت دے سکے۔ تناسب کا طلبگار عموماً اس مناسبت کے کھوج لگانے کی زحمت نہیں اٹھاتا بلکہ مجرد مناسبت پر خواہ وہ کسی قسم کی ہو قناعت کر لیتا ہے، دوسرے رشتہ کو ہاتھ سے چھوڑ دینے کا اکثر یہ نتیجہ بھی ہوتا ہے کہ ہر آیت میں کھینچ تان کر ایک مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی نہ کوئی مناسبت قائم بھی کر دیتا ہے حالانکہ سرے سے ان متجاور آیات میں کوئی تعلق ہوتا ہی نہیں بلکہ نظم کلام کے مطابق پاس والی آیت اس آیت سے متصل ہوتی ہے جو اس کے قبل والی آیت سے بہت دور واقع ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے بعض ذہین علما، اس طرح کی آیتوں میں جب کوئی معقول اور مناسب تناسب نہ پا سکے تو انھوں نے تناسب ہی کا انکار کر دیا، اس میں شبہ نہیں کہ اس طرح کی آیتیں قرآن میں بہت ہیں جو اپنے پاس والی آیتوں سے کوئی ربط و اتصال نہیں رکھتیں بلکہ ان میں کھلا ہوا اقتضاب پایا جاتا ہے اور عموماً اس طرح کی مشکلات سے انھیں مقامات پر سابقہ پیش آتا ہے جہاں کوئی آیت یا آیتوں کا کوئی مجموعہ اپنے پاس والی آیت سے بہت دور کسی آیت سے متعلق ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علم نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ سورہ کی تاویل اس طرح کی جائے کہ پوری سورہ ایک کلام کے قالب میں ڈھل جائے اور وہ سورہ اپنی سابق و لاحق سورتوں سے جو باعتبار نظم اس سے دور پہلے یا پیچھے واقع ہوں، مربوط ہو جائے۔ جس طرح بعض آیتیں بطور جملہ معترضہ

کے آجاتے ہیں۔ اس طرح بعض سورتیں بھی بیچ میں بطور جملہ معترضہ کے آجاتی ہیں۔ اس نکتہ کو نگاہ میں رکھ کر قرآن پر غور کرو تو تمہیں سارا قرآن ایک منظم کلام کی شکل میں نظر آئے گا اور شروع سے آخر تک اس کے تمام اجزا میں نہایت ہی محکم و مضبوط مناسبت و ترتیب معلوم ہوگی۔ اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ علم نظام اجزاء کی ترتیب و مناسبت علم کے علاوہ ایک اور علم ہے جو اس سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔[۲۴]

ایک دوسرے مقام پر مولانا نظم کے ضروری اجزاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ سورتوں کے معانی کی تصویر اس طرح اپنی اصل سورتوں کے قالب میں ڈھل جائے کہ ہر سورہ کی ایک متعین اور شخصی شکل بن جائے، پس اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر سورہ کے تمام معانی باہم دگر ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہوں اور ان سب کا ہدف کوئی ایک ہی موضوع یعنی عمود ہو اور ان کے اندر وحدانیت بھی پائی جاتی ہو۔ جب کسی کلام میں یہ اوصاف جمع ہو جاتے ہیں تو خود بخود ایک مشخص یعنی متعین شکل بن جاتی ہے اور اس شکل کے آئینے میں اس کلام کے حسن و جمال کے سارے خدوخال نظر آنے لگتے ہیں۔"[۲۵]

مولانا کی "وحدانیت" سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت خود ہی فرماتے ہیں:

"جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحیح نظام کے تحت جو کلام ہوگا اس میں عمود یعنی کسی مرکزی مضمون کا ہونا ضروری ہے جو اس پورے کلام کا مدار ہوگا، اس لیے نظام کے ایک طالب کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے وہ سورہ کے پھیلے ہوئے مضامین پر غور و تامل کرکے اس کے عمود یعنی مرکزی مضمون کو پکڑنے کی کوشش کرے، تاکہ وہ مرکز جس کی طرف اس سورہ کی ایک ایک آیت کا رخ ہے اس کی نگاہ میں آجائے، اس مرکز کے مل جانے کے بعد صاف نظر آنے لگے گا کہ سورہ کی تمام آیتیں ایک ہی ہار میں گندھی ہوئی ہیں، اور ان میں غایت درجہ کا اتحاد ہے۔ پس وحدانیت سے مراد سورہ کا وہ نظام ہے جو اس کے اندر عمود کو متعین کرتا ہے، اس

کی مختلف آیتوں میں ربط پیدا کر کے پوری سورہ کو وحدانیت کے قالب میں ڈھال دیتا ہے۔

لیکن وحدانیت، مناسبت اور ترتیب کے لحاظ سے ہر کلام یکساں نہیں ہوتا بلکہ ممکن ہے کہ کسی کلام میں وحدانیت تو پائی جاتی ہو لیکن وہ تناسب و ترتیب کے لحاظ سے بالکل خالی ہو، مثلاً آپ نصائح کی کتاب لکھیں اور اس میں وہ تمام اقوال جو دین سے، اخلاق سے معاشرت سے، سیاست سے متعلق ہوں، ان سب کو بغیر کسی ترتیب کے جمع کر کے رکھدیں تو اگرچہ اس کتاب میں کوئی موزوں ترتیب تو نہ ہوگی لیکن اسے وحدانیت سے خواہ وہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو، خالی بھی نہیں کہا جائے گا، اس لیے کہ اس کا تعلق نصائح سے ہے اور یہ ایک بات اس کتاب کی شخصیت کو ممیز کرنے کے لیے کافی ہے چاہے اس میں کسی قسم کی مناسبت اور ترتیب نہ ہو۔

ہاں اگر آپ اسی کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کر کے ہر باب کے نیچے صرف انہی اقوال کو جمع کر دیں جو اس باب سے متعلق ہوں تو آپ کی یہ کتاب متناسب الاجزاء تو ہو جائے گی لیکن اس کی وحدانیت پھر بھی کمزور رہے گی، اس کی ایک شکل اور ہے، وہ یہ ہے کہ تمام ابواب کے نصائح تو الگ الگ ایک جامع قصہ کے پیرائے میں اس طرح لکھیں کہ وہ اپنے باب کی ساری باتوں کو اپنے اندر لے لے، ایسی صورت میں ہر باب کے اندر اگرچہ ایک نہایت عمدہ وحدانیت پیدا ہو جائے گی لیکن پوری کتاب کی وحدانیت پھر بھی کمزور رہے گی، لیکن اگر اس کتاب کے ابواب کو مرتب کرنے میں ایک باب سے دوسرے باب کی مناسبت کا پورا لحاظ رکھا جائے اور مکمل کتاب اس انداز پر ترتیب دی جائے تو اگرچہ ہر باب کے تحت اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک تناسب کے ساتھ ہی ہی طرح کی باتیں ہوں گی لیکن بایں ہمہ پوری کتاب اپنے نظم کے اعتبار سے کامل اور مکمل ہوگی۔[۱]

عمود یعنی مرکزی مضمون کے متعلق مولانا کا خیال یہ ہے کہ:

"اگر کسی نے کسی سورہ کا عمود معلوم کر لیا تو اس کو اس سورہ کے نظام کو سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی، عمود کا علم دراصل نظم کے خفیہ خزانے کی کلید ہے، لیکن ان کا حصول کچھ آسان نہیں ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ خود سورہ کے مضامین پر بار بار غور کیا جائے اور اس کے علاوہ آس پاس کی سورتوں کا بھی اور ان سورتوں کا بھی جو زیر غور سورہ سے

متماثل ہوں پوری دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور ان کے مطالب پر بار بار نگاہ ڈالی جائے، اس اہتمام کے بغیر کسی سورہ کا عمود معلوم کرنا نہایت دشوار ہے، عمود کی روشنی جب مل جاتی ہے تو اس سے پوری سورہ جگمگا اٹھتی ہے اور سورہ کی ہر آیت انگوٹھی کے نگینے کی طرح اپنی اپنی جگہ پر جڑ جاتی ہے اس کے بعد پوری سورہ کا حسین نظام اس طرح نگاہوں کے سامنے بے نقاب ہو جاتا ہے کہ کسی آیت کی کمزور تاویل کے لیے کوئی گنجائش سرے سے باقی ہی نہیں رہتی، عمود سورہ نظم کلام اور ربط آیات کی روشنی میں، صرف اسی تاویل کو قبول کر سکتا ہے جو سیاق و سباق کے لحاظ سے ارجح اور افضل ہو۔"[۲۷]

مناسب ہوگا کہ ڈاکٹر عبداللہ دراز کے خیالات بھی مختصر طور پر بیان کر دئے جائیں مصنف مرحوم نے یہ خیالات اپنی کتاب "النبأ العظیم" میں تحریر کیے ہیں، بڑی تقطیع پر ۲۱۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مکتبۃ السعادۃ مصر سے ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی ہے، نظم کلام کے سلسلے میں مصنف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ:

"قرآن کے ایک ایک جزو میں ربط و تعلق تلاش کرنے سے پہلے پوری سورہ پر محکم نظر ڈالی جائے جس میں اس کے تمام اجزاء و مقاصد کی اس طرح تعیین ہو جائے کہ جس سے تمام تفصیلات آسانی سے سمجھ میں آسکیں، آئمہ تفسیر نے بہت پہلے کہا تھا کہ "کسی سورہ کے مسائل کتنے ہی تعداد میں زیادہ ہوں وہ وحدت میں منسلک ہوتے ہیں، جن کا آخری حصہ پہلے حصہ سے متعلق ہوتا ہے، اور اول سے آخر تک یہ سب ایک ہی مقصد و مضمون کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جس طرح مختلف جملے ایک مسئلہ میں ایک دوسرے سے پیوست ہوتے ہیں، چنانچہ نظم کلام کا طالب پوری سورہ پر نظر ڈالنے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا جس طرح کسی مسئلہ کے اجزاء میں اس سے بے نیازی نہیں برتی جا سکتی۔"[۲۸]

موصوف کے خیال میں:

"آیات کے درمیان مناسبت تلاش کرنے والے علماء سے غلطی یہ سرزد ہوئی ہے کہ انھوں نے سورہ کے مجموعی نظام سے صرف نظر کر کے

قریبی دو مسائل یا متعدد متجاور مسائل میں ربط و تعلق ڈھونڈنے کی کوشش کی، اس طریقۂ کار سے نظم کا جمال ظاہر ہے کہ مکمل شکل میں جلوہ گر نہیں ہو سکتا، موصوف نے ان علماء کی مثال اس آدمی سے دی ہے جو خوبصورت منقش چادر کو ہاتھ میں لے کر اس کے ایک ایک دھاگے اور نقش کو الگ الگ کر کے دیکھتا ہے، ظاہر ہے کہ اسے ان مختلف رنگوں کی دھاریوں اور نقوش میں اس طرح کوئی حسن اور کشش نظر نہیں آسکتی لیکن اگر وہ چادر پر مکمل نظر ڈالے اور دور سے اس کا مشاہدہ کرے تو اس کے حسن و جمال سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ قرآنی سورتوں میں نظم و ترتیب کے طالب کو اس طرح اس پر تدبر کرنا چاہیے۔"[۲۹]

"لیکن اس مناسبت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سورہ کے اجزاء میں مکمل اتحاد، مشابہت یا کلی تداخل ہو جیسا کہ بعض علماء مناسبت نے کیا ہے، چنانچہ ایک فریق نے اس قسم کی مناسبت کی کوشش میں تکلفات و تصنعات کی روش اختیار کرلی اور ایک دوسرے فریق کو جب یہ تعلق نظر نہ آیا تو اس نے فوراً کہہ دیا کہ اس جگہ محض اقتضاب[۳۰] ہے جیسا کہ اہل عرب کی عادت تھی۔"[۳۱]

پھر مرحوم نے اپنے ان اصولوں کی روشنی میں سورۂ بقرہ کی تفسیر اور اس کا ربط بتایا ہے اسے مصنف نے ایک مقدمہ، چار مقاصد اور ایک خاتمہ میں تقسیم کیا ہے۔

مقدمہ (۱—۲۰) قرآن کی تعریف و توصیف کے بارے میں ہے اور یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اس میں قلب سلیم رکھنے والوں کے لیے ہدایت ہے، اس پر اعتراض وہی کر سکتا ہے جس کے پاس قلب سلیم نہ ہو یا جو مرض حسد کا شکار ہو۔

پہلا مقصد (۲۱—۲۵) دعوت دین پر مشتمل ہے جس میں تمام انسانوں کو بندگیٔ رب اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے پھر ۲۶ سے ۳۹ تک عود علی البدء کے اسلوب پر قرآن کی خصوصیت دوبارہ بتائی گئی ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے۔

دوسرا مقصد (۴۰—۱۶۲) ایک سو تیس آیات پر مشتمل ہے جس میں اہل کتاب کو دعوت حق قبول کرنے پر ابھارا گیا ہے، پھر آیات (۱۷۷—۱۶۳) میں دین اسلام کے احکام و

قوانین تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں اور چوتھے مقصد میں آیت ۲۸۴ میں وہ دینی محرک بیان کیا گیا جو ان عبادات و احکام کی بجا آوری پر اکساتا ہے اور آخر میں خاتمہ میں (۲۸۶ - ۲۸۵) میں ان لوگوں کی صفات بیان کی گئی ہیں جو ان مقاصد پر مشتمل دعوت دین کی پکار پر لبیک کہتے ہیں۔ اس طرح پوری سورہ میں "کثرت میں وحدت" کی شان نظر آتی ہے[۳۲]

موصوف کا مطالعہ کہتا ہے کہ قرآن میں کوئی کلمہ یا حرف زائد نہیں ہے، وہ قاری کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ:

"اس شخص کو چھوڑ دیجئے جو یہ کہتا ہو کہ قرآن میں کوئی کلمہ مقحم یا معنی کے اعتبار سے زائد ہے، اسی طرح ان لوگوں کو بھی نظر انداز کر دیجئے جو کلمہ تاکید کا بڑی آسانی سے استعمال کر لیتے ہیں، اور جہاں انھیں کوئی حرف زائد نظر آنے لگتا ہے فوراً یہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ یہ تاکید کے لیے ہے، اس کی پروا نہیں کہ وہ زائد لفظ زائد مفہوم دے رہا ہے اور تاکید کا فائدہ پہونچا رہا ہے یا نہیں اور اس طرف توجہ دینے کی بھی ضرورت نہیں کہ وہاں تاکید کی ضرورت ہے بھی یا نہیں، ان سب چیزوں کو نظر انداز کر دیجئے کیونکہ یہ سب محض جہالت اور ناواقفیت کی پیداوار ہیں، آپ خود قرآن کے معانی پر غور کیجئے اور جہاں کہیں کوئی حرف یا کلمہ یا اس کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو جلدی نہ مچائیے بلکہ خدا سے توفیق مزید کی دعا کیجئے اور کوہ کنی میں لگے رہیے، مایوس ہو کر بیٹھ نہ جائیے، یہ نہ سوچئے کہ جب بڑے بڑوں سے حل نہ کیا تو مجھ ہیچمدان سے کیا ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ اپنے کلام کا وہ راز کھول دے جو بڑے بڑے لوگوں پر بھی نہ کھل سکا"[۳۳]

یہ ہے نظم قرآن کے سلسلے میں علامہ فراہیؒ اور ڈاکٹر عبداللہ دراز مرحوم کے خیالات ان سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ ربط و نظام کے سلسلے میں جو خیالات قدماء کے یہاں موجود تھے انھیں ان لوگوں نے اپنی جگر کاوی اور محنت شاقہ سے مدلل اور مبرہن کر دیا ہے۔

## تعلیقات وحواشی

[۱] مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن جلد اول کا مقدمہ، نیز عفیف عبدالفتاح طبارہ، روح الدین ص ۳۵

۲؎ مولانا مودودیؒ: تفہیم القرآن جلد اول: ۴۷
۳؎ نعیم صدیقی، سیارہ ڈائجسٹ لاہور، قرآن نمبر جلد اول ص ۲۵۱ - ۲۶۱
۴؎ مقدمہ تفسیر نظام القرآن از حمید الدین فراہیؒ۔ تفصیل سے دیکھیں۔
۵؎ سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۱۲۴ طبع ۱۲۷۹ھ مصر۔
۶؎ شوکانی، فتح القدیر جلد اول ص ۴۲۔
۷؎ الاتقان جلد دوم ص ۱۲۷ ۸؎ حوالہ بالا
۹؎ فخر الدین رازیؒ، مفاتیح الغیب، الجزء السابع ص ۳۶۵
۱۰؎ الاتقان ج ۲ ص ۱۲۴
۱۱؎ مخدوم مہائمی، تبصیر الرحمان وتیسیر المنان جلد اول ص: ۳
۱۲؎ الاتقان جلد دوم ص ۱۲۴
۱۳؎ یہ تفسیر سات حصوں میں ہے۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد نے شائع کی ہے۔
۱۴؎ اس کتاب کا تذکرہ سیوطی نے اتقان میں کیا ہے ملاحظہ ہو جلد دوم ص ۱۲۴
۱۵؎ شیخ لاہوری کے حالات زندگی کے لیے دیکھئے: عبدالحئی لکھنوی، نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والمناظر جلد پنجم ص ۴۱۲۔
۱۶؎ اشرف علی تھانویؒ: تفسیر بیان القرآن مطبوعہ تاج کمپنی لاہور جلد اول ص ۹۴
۱۷؎ فخر الدین رازی، تفسیر کبیر جلد دوم ص ۴۱۸ مطبوعہ ۱۳۰۸ھ۔
۱۸؎ بیان القرآن جلد اول ص ۷۹
۱۹؎ یہی وجہ ہے کہ سید قطب شہید جیسے عظیم مفکر اور مفسر بھی اس آیت کا موقع ومحل نہ سمجھ سکے اور یہاں پہونچ کر انھیں اس امر کا اعتراف کرنا پڑا کہ میں چھ مہینے تک اس آیت پر غور کرتا رہا کہ یہ آیت نماز احکام کے درمیان کیسے آگئی۔ مجھے توقع تھی کہ اس وقفہ میں اللہ تعالیٰ مجھ پر حقیقت کھول دے گا مگر مجھے کامیابی نہ ہوئی۔ تفسیر کی کتابوں میں یہ نکتہ جو بیان ہوا ہے کہ احکام کے درمیان نماز کا تذکرہ اس کی اہمیت بتانے کے لیے ہوا ہے اس سے میرا ضمیر مطمئن نہ ہو سکا اگر مجھ پر کوئی نکتہ عیاں ہوا تو اگلے ایڈیشن میں اس کا اضافہ کردوں گا یا کوئی صاحب میری رہنمائی فرمائیں تو میں ان کا شکر گزار رہوں گا۔" (فی ظلال القرآن ۲/۸۴)
۲۰؎ اس طرح کی آیات تبیین قرآن پاک میں بہت ہیں۔ وہ یا تو جن آیتوں کی تبیین کرتی ہیں۔ انھیں کے بیچ میں رکھدی جاتی ہیں یا خاتمہ کے بعد ان کو رکھدیا جاتا ہے جو تکملہ اور ضمیمہ کا کام دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ

انفال آیت ۶۵ میں فرمایا گیا ہے کہ ایک مومن دس کافروں پر بھاری ہے اور بیس صابر ہوں تو دو سو کافروں کا ناطقہ بند کر دیں اور سو ہوں تو ہزار آدمیوں پر غالب رہیں گے لیکن معاً بعد آیت ۶۶ میں اس میں تخفیف کر دی گئی اور فرمایا گیا کہ چونکہ ابھی تم لوگوں کی اخلاقی تربیت مکمل نہیں ہوئی ہے اس لیے سردست بر سبیل تنزل تم سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اپنے سے دوگنی طاقت سے ٹکرانے میں تمہیں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہونی چاہیے۔

اسی طرح سورہ مزمل میں ابتدا میں یہ حکم دیا گیا کہ رات میں آدھی یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ قیام کیا کرو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو لیکن آخری آیت بطور تبیین و تخفیف نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ خدا کو معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ مریض رہتے ہیں کچھ فضل الٰہی کی تلاش میں سفر کرتے ہیں اور کچھ لوگ راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں اس لیے جتنا قرآن بآسانی پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو (۲۰) اس طرح قرأت قرآن اور صلوٰۃ دونوں میں تخفیف ہو گئی۔

سورہ بقرہ کی زیر بحث آیات خاتمہ (۲۳۸ - ۲۳۹) کے بعد بھی پچھلے احکام کی تبیین و توضیح کی گئی ہے مثال کے طور پر آیت ۲۳۴ میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ بیویوں کی عدت وفات چار ماہ دس دن ہے اس مدت کے اختتام کے بعد وہ اگر اپنے سلسلے میں معروف قاعدہ کے مطابق کوئی کارروائی کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے بعد آیت ۲۴۰ میں اس حکم میں وسعت پیدا کر دی گئی کہ ایک بیوہ کی عدت اگرچہ چار ماہ دس دن ہی ہے لیکن شوہر کو چاہیے کہ مرنے سے پہلے اپنی ہونے والی بیوہ کے لیے یہ وصیت کر جائے کہ اس کو اس کے گھر سے ایک سال تک فائدہ اٹھانے کی آزادی حاصل رہے گی اگر وہ خود اس مدت کے بعد نہ رہنا چاہے تو کوئی بات نہیں ہے۔ یہی حال دوسری آیت ۲۴۱ کا بھی ہے۔ اس سے پہلے آیت ۲۳۶ میں ان مطلقہ عورتوں کا حکم بیان ہوا تھا جنھیں ان کے شوہروں نے ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ ان کے لیے کچھ مہر مقرر کیا ہو کہ مہر کا مواخذہ نہ ہوگا البتہ انھیں کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیے خوشحال آدمی اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب اپنی حیثیت کے مطابق معروف طریقہ سے دے۔ فقہائے حنفیہ کے نزدیک اس کچھ سے مراد ایک جوڑا کپڑا ہے۔

اس صورت میں نصف مہر کی ادائیگی کو واجب قرار دیا اور آپس میں احسان کرنے کی تلقین کی لیکن متاع معروف سے سلوک کرنے کی یہاں کوئی تفصیل نہیں تھی ان دوسری قسم کی عورتوں کو اس معروف فائدہ سے اس کی آیت تبیین میں نوازا گیا اور فرمایا گیا کہ "اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انھیں بھی مناسب طور پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کیا جائے یہ حق ہے متقی لوگوں پر (۲۴۱) یہاں مطلقات کا لفظ عام ہے جس میں دونوں ہی قسم کی مطلقہ عورتیں شامل ہو گئیں اور متاع معروف کا حکم ہر قسم کی مطلقات کے لیے بطور حق واجب عام ہو گیا (تفصیل کے لیے دیکھئے اسلام اور عصر جدید جولائی ۱۹۷۶ء قرآن مجید میں نظم و ترتیب کی نوعیت اور اہمیت از محمد راشد اصلاحی)

۲۱ھ یہ تفسیر پانچ ضخیم جلدوں میں سید تقی صاحب مرحوم لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ڈاکٹر زبید احمد نے اپنی تصنیف کنٹری بیوشن آف انڈیا ٹو تفسیر لٹریچر میں اسے لاپتہ قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ شروع کی تین جلدیں ذرا بوسیدہ ہیں چوتھی اور پانچویں جلدیں مضبوط ہیں۔ یہ تفسیر تقریباً پانچ ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس کتاب میں جن خاص امور کو مصنف نے پیش نظر رکھا ہے وہ انھیں کے الفاظ میں یہ ہیں" اس کتاب میں وجوہ نظم قرآن، قرأت عشرہ، انواع وقوف و فواصل آیات کا ذکر کروں گا نیز علمائے راسخین حکماء اور صاحب کشف عارفین نے جو معانی و مطالب بیان کیے ہیں انھیں بتاؤں گا، جملوں کے ربط اور آیتوں اور سورتوں کے درمیان جو مناسبت ہے اسے واضح کروں گا، انبیاء علیہم السلام کے قصص، اقوام وملل کے واقعات، اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ کو بیان کروں گا اور یہ بتاؤں گا کہ سورتیں جن آیات پر ختم کی گئی ہیں ان کی وجہ کیا ہے۔" (دیکھئے محمد سالم قدوائی... ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی ۱۹۷۳ء ص ۵۴)

۲۲ھ قدوائی۔ ہندوستانی مفسرین ص: ۵۸

۲۳ھ علامہ آلوسی ان آیات کی تشریح میں کہتے ہیں کہ اے محمدؐ تم یتیم، سرگشتہ و حیران اور محتاج تھے اللہ نے تمہیں ٹھکانا دیا، ہدایت سے نوازا اور غنی کیا اس لیے ان تینوں نعمتوں میں خدا کو نہ بھولو یعنی یتیم پر شفقت کرو، سائل پر رحم کھاؤ کیونکہ یتیمی اور فقر کا مزہ تم چکھ چکے ہو اور بندوں کی راہ راست کی طرف رہنمائی کرو جس طرح اللہ نے تمہاری رہنمائی فرمائی (صفوۃ التفاسیر ۲۰/۳ ۷ بحوالہ تفسیر آلوسی ۳۰/۱۶۲)

علامہ فراہیؒ اس آیت سے متعلق کہتے ہیں کہ ہم خوب نماز پڑھیں کیونکہ نماز سراپا شکر ہے اور علم و دین کی اشاعت میں لگے رہیں کیونکہ یہ وہ نعمت ہے جو اللہ نے ہمیں دی ہے اور قرآن کی تعلیم اس نعمت کی تحدیث ہے جو آیت میں مذکور ہے (دلائل النظام۔ص ۱۱۶)

۲۴ھ دلائل النظام۔ دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ ۱۳۸۸ھ، الفرق بین المناسبۃ والنظام ص ۷۴

۲۵ھ محولہ بالا ص ۷۵

۲۷ھ محولہ بالا ص ۷۷

۲۹ھ محولہ بالا ص: ۱۵۵

۲۶ھ محولہ بالا ص ۷۷-۷۶

۲۸ھ النباء العظیم ص: ۱۵۵

۳۰ھ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ قرآن پورا کا پورا اقتضاب (فی البدیہ کلام کرنا) پر مشتمل ہے چنانچہ

علامہ سیوطی نے مناسبت اور ترتیب کی بحث میں ابوالعلاء محمد بن غانم سے نقل کیا ہے کہ "قرآن کا ورود اقتضاب کی نوع پر ہوا ہے جو ایک غیر مناسب امر کی طرف انتقال کرنے کی قبیل سے اہل عرب کا طریقہ ہے" (الاتقان ج ۲ ص ۱۰۹) اسی طرح شیخ عزالدین بن عبدالسلام کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ "مناسبت ایک عمدہ علم ہے مگر ارتباط کلام کے ضمن میں یہ شرط ہے کہ وہ کسی ایسے کلام کے پیچھے واقع ہو جو کہ متحد ہو اور اس کا اول اس کے آخر کے ساتھ ربط رکھتا ہو لہٰذا اگر کلام کا وقوع مختلف اسباب پر ہوگا تو اس میں یہ ارتباط کبھی نہ ہوگا اور جو شخص ایسے کلام کو ربط دے گا وہ خواہ مخواہ ایک انہونی بات کرنے کی تکلیف گوارا کرے گا اور کیک طریقہ کی پیروی کرے گا جس سے معمولی سی خوبی کی بات کو محفوظ رکھنا بھی ضروری ہے چہ جائیکہ بہترین کلام کی حفاظت اور قرآن کریم کا نزول جو کہ بیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ میں ہوا اور مختلف اسباب کی بنا پر مختلف اوقات میں مختلف احکام کے لیے نازل ہوا تھا اور اس طرح کا کلام کبھی باہم مربوط نہیں کیا جا سکتا" (ص: ۱۰۸) پھر امام سیوطی نے مثالوں کے ذریعہ ان خیالات کی تردید کی ہے (دیکھئے:

الاتقان ص ۱۱۰-۱۰۹ ) ۳۱ھ النبأ العظیم ص ۱۵۵

۳۲ھ محولہ بالا ص ۲۱۰-۱۰۹ ۳۳ھ محولہ بالا ص ۱۲۶

مولانا سید جلال الدین عمری کی ایک اہم تصنیف

# اسلام میں خدمت خلق کا تصور

خدمت خلق کا صحیح تصور۔ غلط تصورات کی تردید۔ خدمت خلق کا اجر و ثواب۔ خدمت کے مستحقین۔ وقتی خدمات۔ رفاہی خدمات۔ خدمت کے لیے انفرادی و اجتماعی جدوجہد۔ موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اور ان پر عمل کی شکلیں۔ مصنف کے جاندار قلم نے ان تمام گوشوں کو نکھار دیا ہے۔ صفحات: ۱۷۶ قیمت: ۴۰/ روپیے

وقت کے اہم موضوع پر اس پہلی مستند کتاب کا انگریزی ترجمہ THE CONCEPT OF SOCIAL SERVICE IN ISLAM کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔

صفحات: ۱۶۵ قیمت: ۵۰ روپیے

ملنے کا پتہ: مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ

# امام علی بن حمزہ کسائیؒ

## اوران کی علمی ودینی خدمات

جناب محمد الیاس الاعظمی

امام علی بن حمزہ کسائیؒ ۱۸۹ھ/۸۰۵ء کا شمار تبع تابعین میں ہے، فن نحو، لغت وعربیت، فقہ اور خاص طور پر فن قراءت میں ان کا مرتبہ اس درجہ بلند ہے کہ تذکرہ نگاروں نے ان کو امام القراء کا خطاب دیا ہے، تاحیات قرآن مجید کی خدمت درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی دلچسپی رہی۔ فن قراءت میں غیر معمولی قابلیت اور مہارت کی وجہ سے قراء سبعہ میں شمار کیے جاتے ہیں، یہاں ان کی زندگی کے حالات وواقعات اور علمی وفنی خصوصیات وامتیازات کو قلم بند کیا جاتا ہے۔

## نام ونسب

علی نام، ابوالحسن کنیت، کسائی نسبت اور معلوم شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے۔

ابوالحسن علی بن حمزہ بن عبداللہ بن بہمن بن فیروز [۱]

ان کے شجرہ نسب میں اختلاف ہے۔ تذکرہ نگاروں نے ان کے پردادا کا نام قیس، عثمان اور بہمن لکھا ہے [۲] ابن کثیر نے ان کے پردادا کا نام لکھا ہی نہیں ہے بلکہ ان کی جگہ ان کے جداعلیٰ کا نام لکھا ہے [۳] صحیح یہ ہے کہ ان کے پردادا کا نام بہمن تھا اس کا ذکر بہت سے تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، صولی کا بیان ہے کہ یہ علی بن حمزہ بن عبداللہ بن بہمن بن فیروز صولی بنو اسد ہیں [۴]

---

[۱] غایۃ النہایۃ: ۱/۵۳۵ والفہرست ص ۹۷

[۲] ایضاً وتہذیب التہذیب: ۷/۳۱۳

[۳] البدایہ والنہایۃ: ۱۰/۲۰۲

[۴] معرفۃ القراء ۱/۱۲۱ وتاریخ بغداد ۱۱/۴۰۳

ان کی کنیت میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے[۱]۔ مگر یہ قول ضعیف ہے، اور صحیح کنیت ابوالحسن ہی ہے کیونکہ سوائے ابن الندیم کے کسی اور نے اُس کنیت کا ذکر نہیں کیا ہے۔

## نسبتیں

یہ کسائی، اسدی، نحوی اور کوفی کی نسبتوں سے معروف ہیں۔ تذکرہ نگاروں کے یہاں ان کی معروف نسبت کسائی کے بارے میں مختلف بیانات ملتے ہیں۔

۱۔ حج بیت اللہ میں احرام کسا یعنی کمبل کا باندھا تھا اس لیے کسائی سے مشہور ہوئے[۲]، عبدالرحیم بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے امام کسائی سے دریافت کیا کہ آپ کو کسائی کیوں کہا جانے لگا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے احرام کمبل میں باندھا تھا[۳]، علامہ ابن الفاضح بغدادی لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| قیل لہ الکسائی من اجل انہ | ان کو کسائی اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھوں |
| احرم فی کساء[۴] | نے ایک کمبل میں احرام باندھا تھا۔ |

علامہ شاطبی اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| واما علی فالکسائی نعتہ | لما کان فی الاحرام فیہ تسربلا |

اور علی سے مراد امام کسائی ہیں اور ان کا یہ نام اس لیے پڑا کہ انھوں نے کمبل کا احرام باندھا تھا۔

۲۔ امام حمزۃ الزیات کوفی کے حلقہ درس میں کسا اوڑھ کر بیٹھتے تھے اور وہ فرماتے صاحب کسا کو میرے پاس لاؤ، امام اہوازی کا بیان ہے کہ میرے نزدیک اشبہ بالصواب یہی ہے[۵]۔

۳۔ یہ جب کوفہ آئے تو کسا اوڑھے ہوئے تھے اس لیے کسائی سے مشہور ہوئے[۶]۔

---

[۱] الفہرست ص ۹۷

[۲] البدایہ والنہایہ ۱۰/۲۰۱ وغایۃ النہایۃ ۱/۵۳۹

[۳] ایضاً ومعرفۃ القراء ۱/۱۲۲ وتاریخ بغداد ۱۱/۴۰۴۔

[۴] سراج القاری المبتدی ص ۱۲

[۵] غایۃ النہایۃ ۱/۵۳۹ وابراز المعانی ص ۲۴-۲۵

[۶] تذکرۃ النحاص ۱۵۔

۴۔ خلف بن ہشام کا بیان ہے کہ علی بن حمزہ کوفہ آئے تو مسجد السبیع میں اس وقت پہنچے جب فجر کی اذان ہو رہی تھی وہاں امام حمزہ پڑھ رہے تھے۔ علی بن حمزہ اس وقت کمبل اوڑھے ہوئے تھے امام حمزہ نے کہا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا کوئی صاحب کسا ہیں۔ لوگوں نے ازراہ تضحیک یہ کہا اگر کپڑا بننے والا ہوگا تو سورہ یوسف پڑھے گا اور اگر ملاح ہوگا تو سورہ طٰہٰ پڑھے گا یہ جملہ امام کسائیؒ نے سن لیا پھر انھوں نے تلاوت شروع کی اور سورہ یوسف پڑھنا شروع کیا اور جب الذئب پر پہونچے تو الذئب بغیر ہمزہ کے پڑھا اس پر امام حمزہ نے کہا الذئب پر ہمزہ ہے کسائیؒ نے کہا النحوت پر بھی ہمزہ ہے مگر بغیر ہمزہ کیوں پڑھتے ہیں۔ امام حمزہ نے اس کا جواب دینے کے لیے خلاد الاحول کو اشارہ کیا اور وہ حاضرین مجلس کو لے کر آگے بڑھے اور مناظرہ کیا مگر وہ امام کسائیؒ کو کچھ قائل نہ کر سکے بالآخر انھوں نے امام کسائیؒ سے کہا کہ اللہ آپ پر رحم کرے آپ ہی بتائیں۔ امام کسائیؒ نے کہا اس پارچہ باف سے سنو اور پھر اسے بخوبی سمجھایا اور یہ شعر بھی شہادت کے طور پر پڑھا۔

ایہا الذئب وابنہ وابوہ　　انت عندی من اذوب ضاریا

اسی دن سے یہ کسائی کہے جانے لگے[1]

اس واقعہ کو ابوبکر الانباری نے بھی قدرے ترمیم و اضافہ کے ساتھ لکھا ہے[2]

۵۔ امام کسائیؒ جہاں کے رہنے والے تھے اس جگہ کا نام کسا تھا اس لیے کسائیؒ سے معروف ہوئے[3]

تمام تذکرہ نگاروں سے اول الذکر وجہ تسمیہ کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ ابن الجزری نے بھی اسی کو درست قرار دیا ہے[4] آخر الذکر وجہ تسمیہ کو وہ سب سے زیادہ ضعیف سمجھتے ہیں[5]

چونکہ بنو اسد کے آزاد کردہ غلام تھے[6] اس لیے اسدی اور کوفہ کے باشندے تھے اس

---

[1] تاریخ بغداد ۱۱/۴۰۵

[2] نزہۃ الالبا ص ۸۴ تا ۸۷

[3] ماہنامہ المعارف لاہور مارچ ۱۹۶۹ء ص ۲۹

[4] غایۃ النہایہ ۱/۵۳۹　　[5] ایضاً

[6] معرفۃ القراء ۱/۱۲۱

لیے کوفی اور فن نحو میں متبحر ہونے کی بنا پر نحوی سے معروف ہیں۔

## پیدائش اور وطن

امام کسائیؒ کا سنہ پیدائش قطعیت کے ساتھ نہیں ملتا تاہم علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کی پیدائش سنہ ۱۲۰ھ کے آس پاس ہوئی[۱] حافظ ابوالعلاء نے ان کی عمر ستر سال بتائی ہے[۲] چونکہ ان کا سنہ وفات ۱۸۹ھ ہے[۳] اس لحاظ سے ان کا سنہ پیدائش ۱۱۹ھ ہونا چاہیے۔

خیرالدین زرکلی کا بیان ہے کہ امام کسائیؒ کوفہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے[۴] اور یہیں ان کی پرورش و پرداخت بھی ہوئی[۵] یہ ہشام بن عبدالملک کا زمانہ حکومت تھا۔

امام کسائیؒ اصلاً فارسی النسل اور سواد عراق کے باشندے تھے[۶] امام سرخسی نے لکھا ہے کہ یہ امام محمد بن حسن شیبانی کے خالہ زاد بھائی تھے[۷]

## تجرد

انھوں نے شادی نہیں کی اور مجرد زندگی گذاری، علامہ یافعی لکھتے ہیں: ان کے پاس بیوی تھی اور نہ لونڈی[۸]

## تحصیل علم اور شیوخ

امام کسائیؒ کی پوری زندگی تعلیم و تعلم میں گزری انھوں نے فن قرأت، نحو اور لغت و عربیت کی تعلیم حاصل کی خصوصیت سے فن قرأت اور علم النحو میں اس قدر مہارت پیدا کی کہ اس میں یکتائے روزگار ہوئے۔ امام خلف کا بیان ہے کہ انھوں نے چھوٹی عمر میں قرآن پڑھا اور بڑی عمر میں لوگوں کو پڑھایا نحو اور لغت کی تعلیم اسی عمر میں حاصل کی۔

---

۱ ایضاً ۱/۱۲۰
۲ غایۃ النہایۃ ۱/۵۴۰
۳ المعارف ص۵۴۵
۴ الاعلام ۴/۲۸۳
۵ الفہرست ص۴۴
۶ الاعلام ۴/۲۸۳ - وغایۃ النہایۃ ۱/۵۳۵
۷ تبع تابعین ۲/۱۶۵
۸ مرآۃ الجنان ۱/۴۲۱/۲۱۸

علم قرأت امام حمزۃ الزیات کوفی سے حاصل کیا جو ان پر بڑا اعتماد کرتے تھے ان سے چار مرتبہ قرآن پڑھ کر ان کے نامور تلامذہ میں شمار ہوئے بعد میں ایک زمانہ تک اپنے استاذ کی قرأت کا درس دیا۔ البتہ بعض مقامات پر ان سے اختلاف بھی کیا اور ان کے استاذ اس اختلاف سے واقف بھی تھے کیونکہ حصول علم قرأت میں ان کا یہ معمول تھا کہ امام حمزہ کے بعض اصولوں کو ضبط کرتے اور بعض کو چھوڑ دیتے ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ائمہ قرأت سے فن قرأت سیکھا۔ ابن مجاہد فرماتے ہیں کہ امام کسائیؒ نے امام حمزہ کے علاوہ ایسے ماہرین فن سے بھی علم قرأت حاصل کیا جن کی قرأتیں سلف کے مطابق تھیں[1] پھر امام کسائیؒ نے خود ایک طرز قرأت کو اختیار کیا اور اس کی تعلیم دی[2]۔ ان کے چند شیوخ کے نام یہ ہیں:۔

امام حمزہ بن حبیب الزیات کوفی، عیسیٰ عمر ہمدانی، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ انصاری ابوبکر بن عیاش اسدی، اسماعیل، یعقوب ابن جعفر، عبدالرحمان بن ابی حماد، مفضل بن محمد ضبی، زائدہ بن قدامہ، اعمش، محمد بن حسن بن ابی سارۃ، قتیبہ بن مہران، ابوحیوۃ شریح وغیرہ[3]

مؤخر الذکر دو اساتذہ نے خود ان سے بھی استفادہ کیا[4] ہذلی نے ان کے اساتذہ میں امام نافع بن ابونعیم مدنی کا بھی ذکر کیا ہے، مگر یہ درست نہیں۔ علامہ ابن الجزری کہتے ہیں کہ امام کسائیؒ نے انھیں دیکھا تک نہیں تھا[5]

## سلسلۂ قرأت

امام کسائیؒ نے امام حمزہ کے علاوہ عیسیٰ بن عمر اور طلحہ بن مصرف سے بھی سند لی جن کا سلسلہ ابراہیم نخعی، علقمہ بن قیس اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے واسطوں سے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے[6]

---

[1] غایۃ النہایۃ ۱/۵۳۵ و ۵۳۸ - والبدایہ والنہایہ ۱۰/۲۰۲ وتہذیب التہذیب ۷/۳۱۳

[2] تاریخ بغداد ۱۱/۴۰۳

[3] غایۃ النہایۃ ۱/۵۳۵ - ۵۳۶ ومعرفۃ القراء ۱/۱۲۰ — ۱۲۱

[4] ایضاً [5] ایضاً

[6] سراج القاری المبتدی ص ۱۲

## درس وافادہ

امام کسائیؒ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا ان سے استفادہ کرنے والوں کا اس قدر مجمع ہوتا تھا کہ سب کو ایک ساتھ پڑھانا مشکل ہوجاتا چنانچہ امام کسائیؒ کرسی پر بیٹھ کر درس دیتے یہاں تک کہ لوگوں کو مقاطع ومبادی کی بھی تعلیم دیتے[۱]

خلف کا بیان ہے کہ جب ماہ شعبان آتا تو ان کے لیے ایک منبر بنایا جاتا اور یہ اس پر بیٹھ کر لوگوں کو پڑھاتے اور روزانہ آدھی منزل پڑھاتے اس طرح شعبان میں دو مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے[۲]

## تلامذہ

امام کسائیؒ کثیر التلامذہ ہیں ان کے تلامذہ میں نامور ائمہ قرأت وحدیث اور ارباب حکومت بھی شامل ہیں ہارون الرشید اور اس کے صاحبزادوں امین اور مامون کو بھی قرأت اور لغت وعربیت کی تعلیم دی[۳] بغداد میں ان کا فیض عام تھا ابن الانباری نے لکھا ہے کہ انھوں نے بغداد کے قرار کو پڑھایا، پھر ایک قرأت اختیار کی اور لوگوں کو اس کی تعلیم دی[۴] ان کے تلامذہ کے نام یہ ہیں:۔

ابو الحارث لیث بن خالد، ابو عمر وحفص دوری، نصیر بن یوسف رازی، ابراہیم بن زاذان، ابراہیم بن حریش، احمد بن جبیر، احمد بن ابی سریج، احمد بن ابی ذھل، احمد بن منصور بغدادی، احمد بن واصل، اسماعیل بن مدان، حمدویہ بن ہیمون، حمید بن رفیع خزاز، زکریا بن وردان، سورۃ المبارک، قتیبہ بن مہران اصفہانی۔ احمد بن سریج نہشلی، ابو عبید قاسم بن سلام، ابو حمدون طیب بن اسماعیل، سریج بن یونس، عبدالرحمٰن بن واقد، عیسیٰ بن سلیمان الشیزری، احمد بن جبیر انطاکی، محمد بن سفیان، عبدالرحیم بن حبیب، عبدالقدوس بن عبدالمجید، عبداللہ بن احمد بن ذکوان، عبداللہ

---

[۱] غایۃ النہایۃ ۱/۵۳۸

[۲] تاریخ بغداد ۱۱/۴۰۸

[۳] البدایہ والنہایہ ۱۰/۲۰۲

ابن موسیٰ، عدی بن زیاد، علی بن عاصم، عمر بن حفص مسجدی، فضل بن ابراہیم، فورک بن شبویہ، محمد بن سنان، محمد بن واصل، مطلب بن عبدالرحمٰن، مغیر بن شعیب، ابو توبہ میمون بن حفص، ابو انس ہارون بن سورۃ المبارک، ہارون ابن عیسیٰ، ہارون بن زید، ہاشم بن عبدالعزیز بربری، یحییٰ بن آدم، یحییٰ بن زیاد خوارزمی، اسحاق بن اسرائیل، حاجب بن ولید، حجاج بن یوسف بن قتیبہ، خلف بن ہشام البزار، زکریا بن یحییٰ انماطی، ابوحیوۃ شریح بن یزید، صالح الفاقط، عبدالواحد بن میسرہ قرشی، علی بن ہشام، عمر بن نعیم بن میسرہ، عروہ بن محمد اسدی، عون بن الحکم، محمد بن زریق محمد بن سعد، محمد بن عبداللہ بن یزید حضرمی، محمد بن عمر رومی، محمد بن مغیرہ، محمد بن یزید رفاعی، یحییٰ بن زیاد الفراء، یعقوب الدورقی، یعقوب حضرمی، عبداللہ ابن ذکوان وغیرہ[1]

بعض لوگوں نے عبداللہ ابن ذکوان کے امام کسائی سے پڑھنے کے واقعہ کو بعید از قیاس قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں نقاش کی روایت پر اس لیے تنقید کی ہے کہ وہ اکثر عجیب و غریب باتیں روایت کرتے ہیں اور یہ بھی دلیل دی ہے کہ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اس طرح کی کوئی بات نہیں لکھی ہے، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ خود امام عبداللہ ابن ذکوان کا بیان ہے کہ میں امام کسائی کے پاس چار ماہ رہا،[2] اور کئی بار قرآن پڑھا، علامہ ابن الجزری نے اس سلسلے میں نصیر کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے امام کسائی کے مسجد دمشق میں پڑھانے کی تائید ہوتی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ امام کسائی کو دمشق جانے میں کوئی چیز مانع بھی نہیں تھی کیونکہ وہ ابتداء سے اسفار کے عادی تھے[3]

## رواۃ قرأت

امام کسائی کے جن شاگردوں سے ان کی قرأت کی ترویج و اشاعت ہوئی اور جن کو اہل فن نے رواۃ قرأت قرار دیا ہے ان کے نام یہ ہیں:۔

(۱) امام ابوالحارث لیث بن خالد (۲) امام ابوعمر وحفص دوری

---

[1] غایۃ النہایہ ۱/۵۳۶ - ۵۳۷ ومعرفۃ القراء ۱/۱۲۱

[2] ایک قول کے مطابق سات ماہ۔

[3] معرفۃ القراء ۱/۱۲۶ وغایۃ النہایہ ۱/۵۳۷۔

## علم وفضل

امام کسائیؒ علم وفضل میں بے مثل اور عظیم المرتبت تھے ان کی شخصیت جامع کمالات تھی علامہ ذہبی نے احدالاعلام لکھا ہے ابوبکر الانباری فرماتے ہیں کہ ان کی شخصیت متعدد خصوصیات کا مجموعہ تھی یہ فن نحو کے بڑے عالم ناموس اور اصنبی الفاظ میں نادرہ عصر اور فن قرآت میں ممتاز تھے۔ خیرالدین زرکلی لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| واخبارہ مع علماء الادب فی عصرہ کثیرۃ [۲] | ہم عصر علمائے ادب کے ساتھ ان کے بہت سے واقعات منقول ہیں۔ |

قاضی احمد بن کامل فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| وکان عظیم القدر فی ادبہ وفضلہ [۳] | کسائیؒ اپنے علم وادب میں عظیم المرتبت تھے۔ |

ان کے شاگرد فراء کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے میری تعریف کی اور کہا کہ آپ کسائی کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ آپ تو علم نحو میں ان کے ہم پلہ ہیں، چنانچہ میں نے اس زعم میں مبتلا ہو کر ان سے مناظرہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میری حیثیت ایک چڑیا کی سی ہے جو سمندر میں پانی پی رہی ہو۔ [۴]

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے امام کسائیؒ سے تاروں کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے تاروں کی بھرپور تفصیل بتائی جس پر اس اعرابی نے کہا:۔

| | |
|---|---|
| مافی العرب اعلم منک [۵] | عرب میں آپ جیسا کوئی عالم نہیں ہے۔ |

ابن الاعرابی فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| کان الکسائی اعلم الناس ضابطا عالما بالعربیۃ قارئا صدوقا [۶] | امام کسائیؒ بڑے عالم قوی الحافظہ عربیت کے ماہر، قرآن کے قاری اور صدوق تھے۔ |

محمد سجستانی کا بیان ہے کہ اہل کوفہ کا ایک عامل بصرہ آیا تو میں اس کے یہاں گیا

---

[۱] معرفۃ القراء ۱/۱۲۳ وغایۃ النہایہ ۱/۵۳۸

[۲] الاعلام ۴/۲۸۳ [۳] نزھۃ الالبا ص ۹۴

[۴] بغیۃ الوعاۃ ص ۳۳۶ [۵] تاریخ بغداد ۱۱/۴۰۶ [۶] ایضاً ص ۳۳۶

اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ اسے سجستانی علمائے بصرہ کون ہیں، میں نے زیاری، مازنی، ہلال، شاذکونی اور ابن کلبی وغیرہ کے نام بتانے اور انھیں جن علوم میں مہارت حاصل تھی اس کا بھی تذکرہ کیا، چنانچہ عامل بصرہ نے ایک دن ان سب کو جمع کیا اور ہر شخص سے کچھ سوالات کئے علمائے بصرہ نے ان کے جوابات دینے سے اس لیے معذرت کرلی کہ وہ سوال ان کے فن سے متعلق نہ تھا۔ واضح رہے کہ عامل بصرہ نے جان بوجھ کر ہر عالم سے ایسے سوالات کیے جن کا تعلق اس کے خاص علم سے نہیں تھا، پھر عامل بصرہ نے کہا اہل کوفہ کے ایک عالم امام کسائی ہیں ان سے جس فن سے متعلق سوال کرو وہ اس کا ضرور جواب دیتے ہیں[1]۔ خیرالدین زرکلی کہتے ہیں:

| | |
|---|---|
| امام فی اللغة والنحو والقرأة من اهل الكوفة[2] | امام کسائی لغت، نحو اور علم قرأت میں اہل کوفہ کے امام تھے۔ |

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| واليه انتهت الامامة فی القرأة والعربية[3] | امام کسائی کی ذات پر قرأت وعربیت کی امامت ختم ہوتی تھی۔ |

صاحب تذکرۃ النحاۃ لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| درنحو ولغت از کبار ائمہ بود[4] | وہ نحو ولغت کے کبار ائمہ میں سے تھے۔ |

علامہ شبلی نعمانی نے بھی انھیں مجتہد فن لکھا ہے[5]۔

## قرأت میں ان کا مرتبہ

اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ فن قرأت میں انھیں امامت کا مرتبہ حاصل تھا اور وہ امام قرأت کہے جاتے تھے علامہ ابن الجزری نے لکھا ہے کہ ان کی ذات پر علم قرأت اور عربیت کی امامت ختم ہوتی ہے[6]۔ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ کسائی بغداد میں علم قرأت وتجوید کے امام تھے[7]۔ ابن مجاہد کا بیان ہے کہ امام کسائی اپنے زمانہ میں قرأت

---

[1] تاریخ بغداد ۱۱/۴۰۷ [2] الاعلام ۴/۲۸۳
[3] معرفة القراء ۱/۱۲۱ [4] تذکرة النحاة ص۱۵
[5] المامون ص۲۵ [6] غاية النهاية ۱/۵۳۶ [7] تهذيب التهذيب ۷/۲۱۳

میں لوگوں کے امام تھے[۱] ابوطیب لغوی کا بیان ہے کہ امام کسائی اہل کوفہ کے عالم اوران کے امام تھے، اہلِ علم کا مرجع اوران کے مصلح تھے،[۲] ابوعبید کتاب القرآت میں لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| وکان من اھل القرأۃ وھی کانت | وہ فن قرأت سے وابستہ تھے اور یہی اصل |
| علمہ وصناعتہ ولم نجالس | ان کا موضوع علم اور اختصاص تھا اور اس |
| احدا کان اضبط ولا اقوم | فن میں ان سے زیادہ ذکی اور ٹھوس کسی |
| بھا منہ[۳] | شخص کو ہم نے نہیں پایا۔ |

امام کسائی ایک مرتبہ پڑھاتے وقت کچھ غلطی کر گئے بعد میں لوگوں کے دریافت کرنے پر اس کا علم ہوا تو اسے درست کرایا اور اپنے شاگرد خلف بن ہشام سے کہا اے خلف میرے بعد کون ہوگا جو غلطیوں سے محفوظ رہے گا تو خلف نے کہا:

| | |
|---|---|
| لا اما اذلم تسلم انت فلیس | نہیں، جب آپ جیسا شخص جس نے |
| یسلم منہ احد بعدک قرأت | بچپن میں قرآن پڑھا اور بڑے ہو کر لوگوں |
| القرآن صغیرا واقرأت الناس | کو پڑھایا اور اس کے فنی ونحوی نکات |
| کبیرا وطلبت الآثار فیہ | پر بحث کی، نہیں محفوظ رہ سکا تو آپ |
| والنحو[۴] | کے بعد کون محفوظ رہ سکتا ہے۔ |

امام کسائی اپنے امتیازات کی بنا پر اپنے شیخ امام حمزۃ الزیات کوفی کی وفات کے بعد مسند کوفہ پر متمکن ہوئے اور امام القرار کے لقب سے یاد کیے گئے۔

## حدیث

امام کسائی اصلاً فن قرأت کے امام تھے اور گو وہ حدیث میں اس مقام تک نہیں پہونچے تاہم دستور زمانہ کے مطابق انھوں نے حدیث کا سماع سفیان بن عیینہ، جعفر صادق، اعمش، زائدہ بن قدامہ، سلیمان بن ارقم اور محمد بن عبیداللہ العرزمی وغیرہ سے کیا[۵] اور خود ان سے روایت

---

۱۔ کتاب التبصرہ ص ۱۲۴ ۲۔ ماہنامہ الرشاد اعظم گڑھ مئی جون ۸۷ء ص ۶۹

۳۔ معرفۃ القرار ۱/۱۲۲ ۴۔ غایۃ النہایہ ۱/۵۳۸ - ۵۳۹

۵۔ تہذیب التہذیب ۷/۳۱۳ ومعرفۃ القرار ۱/۱۲۰

کرنے والوں میں یحییٰ الفراء، خلف بن ہشام، محمد بن مغیرہ، اسحاق بن ابی اسرائیل، محمد بن یزید رفاعی، یعقوب الدورقی، احمد بن حنبل اور محمد بن سعد کے نام قابل ذکر ہیں[1]

## صداقت

امام کسائیؒ صادق تھے، ابو عمرو دوری سے دریافت کیا گیا کہ آپ لوگ امام کسائیؒ کے ساتھ ان کی نحوت کے باوجود کیسے رہے تو انھوں نے کہا کہ ان کی زبان کی سچائی کی وجہ سے[2]

## لغت وعربیت

امام کسائیؒ کو لغت وعربیت میں بھی جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے بلند مقام حاصل تھا، تذکرہ نگاروں نے انھیں عربی زبان کا امام لکھا ہے اس کی تعلیم کوفہ سے بصرہ جاکر خلیل بن احمد، معاذ الہراء اور ابو جعفر رواسی وغیرہ سے حاصل کی تھی[3]

فضل بن شاذان کا بیان ہے کہ امام کسائیؒ امام حمزہ سے تحصیل علم قرأت کے بعد دیہاتوں میں گئے اور قریب سے ان (کی زبان) کا مطالعہ کیا پھر شہر واپس آئے تو لوگوں کو لغت کی تعلیم دی[4]

## طلب نحو کا سبب

فن نحو سے ان کی رغبت ودلچسپی کا واقعہ بڑا سبق آموز اور دلچسپ ہے۔ ان کے شاگرد یحییٰ بن زیاد الفراء کا بیان ہے کہ امام کسائیؒ ایک دن پیادہ سفر کے بعد اپنے احباب میں پہونچے ان میں کچھ صاحب علم وفضل تھے اور اپنی تکان کو "عییت" سے بیان کیا اس پر ان کے احباب نے کہا کہ تم ہمارے ساتھ بیٹھتے ہو اور اس طرح کی غلطی کرتے ہو۔ امام کسائیؒ نے کہا میں نے کون سی غلطی کی ہے تو ان لوگوں نے بتایا کہ سفر کی تکان کو "عییت"

---

[1] تہذیب التہذیب ۷/۳۱۳ ومعرفۃ القراء ۱/۱۲۰ [2] معرفۃ القراء ۱/۱۲۳

[3] ایضاً ۱/۱۲۰ وغایۃ النہایہ ۱/۵۳۶ والفہرست ص۹۷ [4] غایۃ النہایہ ۱/۵۳۸

کے بجائے "اعیبت" سے بیان کرنا چاہئے تھا عیبت اس وقت بولتے ہیں جب انسان کو کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئے اور بالکل عاجز و بے بس ہو اس واقعہ سے امام کسائی نے بڑی خفت اور شرمندگی محسوس کی اور اسی وقت علم نحو حاصل کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور دریافت کیا کہ اس وقت علم نحو کی تعلیم کون دیتا ہے لوگوں نے معاذ الہرا کا نام بتایا چنانچہ امام کسائی ان کی خدمت میں رہنے لگے اور ان کے پاس جو کچھ تھا سب سیکھ لیا اس کے بعد بصرہ گئے اور امام النحو خلیل بن احمد سے ملاقات کی ان کے درس میں بیٹھے تو ایک اعرابی نے کہا:

| | |
|---|---|
| ترکت اسد او تیما وعندھما | تم بنو اسد اور بنو تمیم جو فصاحت کے |
| الفصاحۃ وجئت الی البصرۃ | مالک ہیں ان کو چھوڑ کر بصرہ آئے ہو۔ |

پھر امام کسائی نے خلیل بن احمد سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ علم کہاں سے حاصل کیا انھوں نے کہا کہ حجاز کے دیہاتوں نجد اور تہامہ سے پھر امام کسائی دیہاتوں کی طرف چلے گئے وہاں سے واپسی پر خلیل بن احمد کے پاس آئے تو ان کی وفات ہو چکی تھی اور ان کی جگہ پر یونس بن حبیب متمکن تھے۔ امام کسائی نے بہت سے مسائل میں ان سے گفتگو کی تو یونس بن حبیب نے ان کی تصدیق کی اور اپنی مسند درس ان کے حوالے کر دی۔[۱]

علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ امام کسائی دیہاتوں کی طرف چلے گئے، اور ایک مدت تک غائب رہے اور نجد و تہامہ کے اعرابیوں سے لغات اور غریب و نادر الفاظ کو لکھا اور جب واپس آئے تو ان کے لکھنے پر وہ روشنائی کی پندرہ شیشیاں صرف کر چکے تھے[۲] اسی طرح کے خیالات کا اظہار صاحب المدارس النحویہ نے بھی کیا ہے[۳]

## قرأت اور نحو

قرن اول میں ہر قاری نحوی ہوتا تھا۔ درحقیقت قرأتوں کے اختلافات ہی نے قاریوں کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ فن نحو کے اصول و ضوابط منضبط کریں تاکہ قراء قرآن مجید کی تلاوت میں کلمات قرآن کی اصل و اساس، موقع و محل اور اعراب سمجھ سکیں، یہ امر بھی قابل ذکر

---

[۱] نزہۃ الالبار ص ۸۲ تا ۸۴ و تاریخ بغداد ۱۱/۴۰۴ و بغیۃ الوعاۃ ص ۳۳۶

[۲] معرفۃ القراء ۱/۱۲۱ [۳] المدارس النحویہ ص ۱۵۹

ہے کہ بصرہ کے وہ تمام نحوی جو ابن اسحاق کے بعد کے ہیں ان سب کا تعلق طبقۂ قرا سے تھا، قرا سبعہ کے اکثر قاری نحوی ہیں مثلاً امام ابوعمرو بن العلاد بصری امام حمزۃ الزیات کوفی امام عاصم کوفی اور خود امام کسائی وغیرہ۔

قرا سبعہ کے علاوہ اور بھی بہت سے قرا نحوی تھے جیسے ابن ابی اسحاق حضرمی، عیسیٰ بن عمر، خلیل بن احمد، یونس بن حبیب وغیرہ، سیبویہ بھی قراتوں کے ماہر تھے اپنی تصنیف الکتاب میں اکثر قراتوں سے بحث وتعرض کرتے ہیں۔

## نحوی اسکول

علم نحو کے تین مراکز تھے جنھیں اسکول سے تعبیر کیا جاتا ہے اولیت بصری اسکول کو حاصل ہے۔ اس کے بعد کوفہ اور بغداد کے مراکز کا تذکرہ کیا جاتا ہے ان نحوی مراکز سے وابستہ علما نے بڑی محنت کی اور فن نحو کو وسعت وہمہ گیری بخشی، ان میں سرفہرست بصرہ میں سیبویہ کوفہ میں امام کسائی اور بغداد میں ابن کیسان تھے کوفی اسکول کی ابتدا امام کسائی کے استاذ ابوجعفر رواسی اور معاذ الہرار سے ہوتی ہے مگر امام کسائی کی محنت وصلاحیت نے کوفی اسکول کا بانی قرار دینے کا جواز فراہم کر دیا دراصل کوفی نحو کی منظم اور منضبط ابتدا امام کسائی اور ان کے شاگرد فراء سے ہوتی ہے، انھیں دونوں نے اس کے مقدمات ترتیب دیئے، اصول وضوابط اور خطوط بنائے اور اپنی ذاتی صلاحیتوں کے ذریعہ کوفی اسکول کو ایک مستقل حیثیت دی۔

ان نحوی مراکز کے درمیان تنقید واعتراض کی معرکہ آرائی بھی ہوتی تھی، ابن الانباری نے ان کے اختلافات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب بھی لکھی تھی چونکہ امام کسائی اور ان کے ہم خیال نحویوں کا رویہ وسعت پسندانہ اور فراخدلانہ تھا وہ صرف فصحائے عرب ہی سے اشعار وامثال لینے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ان عربوں سے بھی روایت کرتے تھے جو شہروں میں رہتے تھے جبکہ اہل بصرہ ان سے روایت کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے امام کسائی کو اہل بصرہ اپنی تنقیدوں کا ہدف بناتے تھے جیسا کہ اس قول سے ظاہر ہے۔

انه کان یسمع الشاذ الذی لا یجوز من الخطا واللحن — وہ ایسے شاذ اقوال جو خطا وغلط کی بنیاد پر نہیں لیے جا سکتے ان کو بھی یاد رکھتے

| | |
|---|---|
| وشعر غیر اهل الفصاحة | تھے اور غیر فصحاء کے اشعار یا ضرورت کی |
| والضرورات لیجعل ذلك | بنیاد پر جن اشعار میں کمی ہوتی ان کو بھی نقل |
| اصلا ویقیس علیه حتی | کرتے تھے اور اسی کو اصل بنا کر اس پر |
| افسد النحو[1] | قیاس کرتے تھے اور اس طرح انھوں |
| | نے نحو کو خراب کر ڈالا۔ |

## نحو میں کمال و امتیاز

اوپر گذر چکا ہے کہ امام کسائی فن نحو کے بہت بڑے عالم تھے ان کی جلالت شان اور علوئے مرتبت کا اندازہ امام شافعی کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے کہ

| | |
|---|---|
| من اراد ان یتبحر فی النحو فهو | جو فن نحو میں مہارت حاصل کرنے کا |
| عیال علی الکسائی[2] | آرزو مند ہو وہ امام کسائی کا محتاج ہے۔ |

ابن الانباری (م ۳۲۸ھ) فرماتے ہیں کہ امام کسائی علم نحو کے ماہر اور عربیت میں بے نظیر تھے۔ ان پر علم نحو اور علم قرأت دونوں چیزیں منتہی ہوتی ہیں[3]

## شعر و سخن

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اشعار سے خصوصی مناسبت تھی اور اپنے خیالات کی تائید میں اشعار پیش کرتے۔

دورقی کا بیان ہے کہ امام کسائی اور امام یزیدی بیک وقت ہارون رشید کے پاس حاضر ہوئے نماز کا وقت آیا تو لوگوں نے امام کسائی کو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھا دیا، سورۃ الکافرون کی تلاوت کرتے ہوئے وہ کچھ بھول گئے اس پر یزیدی نے کہا قاری کوفہ سورۃ الکافرون کی تلاوت میں بھول جاتا ہے، پھر دوسری نماز میں لوگوں نے امام یزیدی کو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھا دیا تو وہ سورۃ الفاتحہ میں بھول گئے، سلام کے بعد امام کسائی نے یزیدی سے مخاطب ہو کر یہ شعر پڑھا:

---

[1] معجم الادباء ۵/۱۹۰ و مرآۃ الجنان ۱/۴۲۱

[2] العبر فی خبر من غبر ۱/۳۰۲ [3] بحوالہ علم قرأت اور قرا سبعہ، ص ۱۱۵

احفظ لسانك لا تقول فتبتلی ان البلاء موکل بالمنطق[1]

(ترجمہ) اپنی زبان کو قابو میں رکھو بولو مت ورنہ مصیبت میں مبتلا ہو گے کیونکہ بولنا ہی مصیبت کا باعث ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ امام نے مندرجہ ذیل اشعار لکھ کر خلیفہ ہارون رشید کی خدمت میں بھیجے جن میں اس کی تعریف تھی۔

قل للخلیفة ما تقول لمن امسی الیك بحرمة یدنی
ما زلت مذ صار الامین معی عبدی یدی ومطیتی رجلی
وعلی فراشی من یلذنی من نومتی وقیامه قبلی
اسعی برجل منه ثالثة مرفوره منی بلا رحل
واذا رکبت اکون مرتدفا قدام سرجی راکبا مثلی
فامنن علی بما یسکنه عنی واهدا الغمد للنصل

ان اشعار کو پڑھ کر ہارون بہت خوش ہوا اور امام کسائیؒ کو دس ہزار درہم، لونڈی، غلام، گھوڑا اور لباس وغیرہ بطور انعام دئے۔[2]

## فقہی بصیرت

امام کسائیؒ فقہ میں بھی درک و بصیرت رکھتے تھے، مشہور فقیہہ امام محمد بن حسن شیبانی ان کے خالہ زاد بھائی تھے، ان سے اکثر صحبتیں رہا کرتی تھیں۔ ہارون رشید نے اپنے دربار میں دونوں کو الگ الگ کرسیاں دی تھیں۔

عالم کوفہ کا بیان اوپر گذر چکا ہے کہ اہل کوفہ کے عالم امام کسائیؒ ہر فن کے سوالوں کا جواب دیتے تھے ایک دن امام کسائیؒ اور امام شیبانی دربار خلافت میں جمع تھے امام کسائیؒ نے کہا وہ کون سا علم ہے جو تمام علوم تک رہنمائی کرتا ہے تو انھوں نے لاعلمیت ظاہر کی اور پوچھا کہ اگر سجدہ سہو میں غلطی ہو جائے تو کیا پھر سجدہ کریں، امام کسائیؒ نے کہا نہیں اور نحوی قواعد سے استدلال کرتے ہوئے بتایا کہ مصغر کا مصغر نہیں ہوتا۔[3]

---

[1] غایۃ النہایہ ۱/۵۲۹ ونزہۃ الالبارص ۸۹ — ۹۰

[2] تاریخ بغداد ۱۱/۴۱۲ ومرآۃ الجنان ۱/۴۲۱

[3] ایضاً۔

اسی طرح امام کسائیؒ سے مشروط طلاق کی صحت وعدم صحت کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے اسے غیر درست بتایا، امام کسائیؒ کے اس جواب کی تشریح کرتے ہوئے ابن الیافعی لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| لایصح وقوعہ قبل وجود | جس کیفیت پر اس کا دارومدار ہے اس کے |
| الصفۃ المعلق علیہا قال | وجود سے پہلے طلاق کا واقع ہونا درست |
| لم قال لان السیل لایسبق | نہیں ہے۔ پوچھا گیا کہ کیوں؟ تو انھوں |
| المطر۔[1] | نے کہا کہ اس لیے کہ سیلاب بارش |
| | سے پہلے نہیں آیا کرتا۔ |

امام ابویوسف امام کسائیؒ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ کسائیؒ کو کلام عرب کی ذرا سی واقفیت ہے، ان دونوں کا ایک بار خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں اجتماع ہوگیا خلیفہ ان کی بڑی تعظیم کرتا تھا اس لیے کہ وہ خلیفہ کے معلم وآتالیق رہ چکے تھے اور امام ابویوسف کی فقیہانہ شان بھی پیش نظر تھی۔ چنانچہ اس نے قاضی ابویوسف سے سوال کیا کہ آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ انت طالق، طالق، طالق، (تم کو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے) قاضی صاحب نے جواب دیا کہ یہ ایک طلاق واقع ہوگی خلیفہ نے پھر کہا کہ اگر وہ یہ کہے کہ انت طالق اوطالق اوطالق (تم کو طلاق ہے یا طلاق ہے یا طلاق ہے) جواب دیا ایک ہی طلاق ہوگی، ہارون رشید نے یہ سن کر کہا اگر وہ یہ کہے کہ انت طالق ثم طالق ثم طالق (تم کو طلاق ہے پھر طلاق ہے پھر طلاق ہے) جواب دیا ایک ہی ہوگی خلیفہ نے پھر پوچھا کہ اگر وہ یہ کہے کہ انت طالق وطالق وطالق (تم کو طلاق ہے اور طلاق ہے اور طلاق ہے) اس پر قاضی صاحب نے کہا اس صورت میں بھی ایک ہی طلاق ہوگی، یہ سوال وجواب سنکر امام کسائیؒ نے کہا اے امیرالمومنین قاضی ابویوسف نے دو صورتوں میں صحیح جواب دیا لیکن دو صورتوں میں ان کا جواب درست نہیں ہے۔ انت طالق طالق طالق کی صورت میں ایک طلاق کا ہونا اس لیے درست ہے کہ بقیہ دو طالق کے الفاظ محض تاکید کے لیے ہیں جیسے آپ یہ کہیں کہ انت قائم قائم، قائم۔ (آپ کھڑے ہیں، کھڑے ہیں، کھڑے ہیں) یا یوں کہیں انت کریم کریم

[1] ایضاً۔

کریم، اسی طرح اس دوسری شکل میں کہ انت طالق او طالق او طالق میں بھی ایک ہی طلاق واقع ہوگی کیونکہ او کا حرف شک کے لیے ہے اس لیے ایسے لفظ سے جس سے یقین ظاہر ہوتا ہے ایک طلاق ہوگی بقیہ کا عمل نہیں مانا جائے گا اور اس قول میں کہ انت طالق ثم طالق ثم طالق میں تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اس لیے کہ اس میں نسق و ترتیب پائی جاتی ہے اور یہی بات دوسرے قول انت طالق وطالق وطالق میں بھی پائی جاتی ہے اس لیے اس صورت میں بھی تین طلاقیں واقع ہوں گی۔[1]

ان واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام کسائی کو فقہ میں بھی کتنا درک حاصل تھا۔

## خلفاء سے ربط و تعلق

امام کسائی کے خلیفہ مہدی، ہارون الرشید، امین و مامون اور یحییٰ بن خالد وغیرہ سے بڑے اچھے مراسم و تعلقات تھے اور وہ سب بھی ان کی بڑی عزت و قدر کرتے تھے اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مہدی نے ہارون کی تعلیم کے لیے ایک اتالیق رکھا تھا ایک دن اس سے پوچھا کہ السواك کا امر کیا ہوگا اس نے کہا استك یا امیر المؤمنین، اس پر مہدی نے انا للہ پڑھی اور کسی اچھے عالم اتالیق کی خواہش ظاہر کی کسی نے امام کسائی کے بارے میں بتایا اور یہ بھی بتایا کہ ابھی جلد ہی وہ دیہاتوں سے واپس آئے ہیں خلیفہ نے انھیں طلب کیا اور ان سے بھی یہی سوال کیا کہ السواك کا امر کیا ہوگا امام کسائی نے کہا سك اے امیر المومنین اس پر خلیفہ نے تعریف و تحسین کی اور دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔[2]

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کسائی جب بخارا و تہامہ اور حجاز کے دیہاتوں سے لغت و عربیت کے حصول کے بعد واپس آئے تو مہدی نے اپنے پاس بلوایا اور مقرب خاص بنایا اور اپنے لڑکے کا اتالیق مقرر کیا۔[3]

پھر خود ہارون رشید نے اپنے بیٹوں امین اور مامون کی تعلیم کے لیے مقرر کیا۔[4] انھیں

---

[1] نزہۃ الالباء ص ۹۱ تا ۹۳ [2] ایضاً ص ۸۷ تا ۸۸

[3] احمد حسن زیات، تاریخ الادب العربی (ترجمہ و تلخیص) ڈاکٹر طفیل احمد مدنی ص ۳۲۲

[4] الفہرست ص ۹۷

دربارِ خلافت میں بڑا اثر و رسوخ اور قدر و منزلت حاصل تھی[۱] جاحظ کا بیان ہے کہ

| | |
|---|---|
| کان اثیرا عند الخلیفۃ حتی اخرجہ من طبقۃ المؤدبین الی طبقۃ الجلساء والمؤانسین[۲] | امام کسائی کو خلیفہ کے یہاں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا وہ دربار شاہی کے محض ایک معلم ہی نہ تھے بلکہ ان کو ہم نشین و جلیس کا رتبہ ملا ہوا تھا۔ |

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| وکان فی الکسائی تیہ وحشمۃ لما نال من الریاسۃ باقراء محمد الامین ولد الرشید وتادیبہ ایضا للرشید فنال مالم ینلہ احد من الجاہ والمال والاکرام وحصل لہ ریاسۃ العلم والدنیا[۳] | امام کسائی کو ہارون الرشید کے فرزند امین کے معلم ہونے خود ہارون کے مؤدب ہونے کی بنا پر دربار میں وہ اعزاز و اکرام اور جاہ و منزلت حاصل تھی جو کسی اور کو نہیں ملی تھی وہ علم اور دنیا دونوں کی ریاست کے جامع تھے۔ |

اکثر تذکرہ نگاروں نے صرف امین کی اتالیقی کا ذکر کیا ہے مگر ابن الندیم نے امین اور مامون دونوں کی اتالیقی کا ذکر کیا ہے،[۴] علامہ شبلی نعمانی نے بھی لکھا ہے کہ مامون نے امام کسائی سے فن نحو و ادب کی تعلیم حاصل کی[۵]

مامون نے امام کسائی سے قرآن کی بھی تعلیم حاصل کی علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ مامون جب قریبًا پانچ برس کا ہوا تو بڑے اہتمام سے اس کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی دربار میں جو علماء اور مجتہدین فن موجود تھے ان میں سے دو شخص یعنی کسائی نحوی اور یزیدی قرآن پڑھانے کے لیے مقرر ہوئے[۶]

علامہ شبلی نے اپنی تصنیف المامون میں امام کسائی کے پڑھانے کا طریقہ بھی لکھا ہے اسے یہاں اس لیے نقل کیا جاتا ہے کہ اس سے امام کسائی کی عظیم المرتبت شخصیت کی قدر سے

---

۱۔ احمد حسن زیات محولہ بالا
۲۔ الاعلام ۴/۲۸۳
۳۔ معرفۃ القراء ۱/۱۲۳
۴۔ الفہرست ص ۹۷
۵۔ المامون ص ۶۲
۶۔ ایضًا ص ۲۱

اور وضاحت ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

کسائی کی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ مامون کو پڑھنے کے لیے کہتا تھا اور آپ چپکا سر جھکائے بیٹھا رہتا تھا مامون کہیں غلط پڑھ جاتا تو فوراً کسائی کی نگاہ اٹھ جاتی اتنے اشارے سے مامون متنبہ ہو جاتا اور عبارت کو صحیح کر لیتا ایک دن سورۃ صف کا سبق تھا۔ کسائی حسب عادت سر جھکائے سن رہا تھا جب مامون اس آیت پر پہونچا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ۔ (صف: ۲)

اے ایمان والو وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

تو بے اختیار کسائی کی نظر اٹھ گئی مامون نے خیال کیا کہ میں نے شاید آیت پڑھنے میں غلطی کی مگر جب پھر مکرر پڑھا تو معلوم ہوا کہ صحیح پڑھی تھی تھوڑی دیر کے بعد کسائی جب چلا گیا تو مامون ہارون کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر حضور نے کسائی کو کچھ دینے کے لیے کہا تھا تو ایفائے وعدہ فرمائیے۔ ہارون نے کہا ہاں اس نے قاریوں کے لیے کچھ وظیفہ مقرر کرنے کی درخواست کی تھی جس کو میں نے منظور بھی کیا تھا کیا اس نے تم سے کچھ تذکرہ کیا مامون نے کہا نہیں۔ ہارون نے پوچھا پھر تم کو کیونکر معلوم ہوا مامون نے اس وقت کا ماجرا عرض کیا۔[1]

امین اور مامون دونوں امام کسائی کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے ایک مرتبہ ہارون رشید نے چپکے سے ان کا معائنہ کیا یہ امین و مامون کو پڑھانے کے بعد کسی کام سے اٹھے تو شہزادوں نے بڑھ کر جوتیاں سیدھی کیں۔ امام کسائی نے ان کے سروں پر دست شفقت رکھا، بوسہ دیا، اور منع کیا کہ آئندہ وہ ایسا نہ کریں۔ یہ واقعہ ہارون نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر جب خلیفہ اپنی مجلس میں آیا تو لوگوں سے دریافت کیا کہ سب سے اچھے خادم کس کے ہیں تو حاضرین مجلس نے کہا امیر المؤمنین کے، تو خلیفہ نے کہا نہیں امام کسائی کے جن کی خدمت امین و مامون کرتے ہیں اور پھر پورا واقعہ کہہ سنایا۔[2]

امین امام کسائی کا اس قدر خیال رکھتا تھا کہ ایک مرتبہ ان کو صرف سبکی و شرمندگی سے بچانے کے لیے سازش کر ڈالی اور اپنے استاذ کی سبکی نہ ہونے دی، امام کسائی اور سیبویہ کے درمیان ایک مناظرہ ہوا، سیبویہ ماہر قرارت و نحو اور بصری اسکول کے نمائندہ تھے امام کسائی نے سیبویہ

---

[1] المامون ص ۲۱

[2] الفہرست ص ۹۷
۲۳۳

سے دریافت کیا کہ کنت اظن الذنبور اشد لسعا من النحل فاذا ھو ایاھا میں فصاحت کس میں ہے، سیبویہ نے کہا ایاھا کی منصوب ضمیر لانا جائز نہیں صحیح فاذا ھو ھی ہے، بحث آگے بڑھی تو ایک فصیح اللہجہ عرب دیہاتی کو حکم مقرر کیا گیا مگر امین نے سازش کی اور اپنے استاذ امام کسائی کے حق میں فیصلہ کروایا۔ اس واقعہ سے سیبویہ کو سخت صدمہ ہوا اور دل برداشتہ ہو کر بغداد کو خیرباد کہہ دیا اور شیراز چلے گئے اور وہیں چالیس سال کی عمر میں وفات پائی[۱]

خطیب بغدادی اور کلیمنٹ ہارٹ نے بھی سیبویہ کی موت کا سبب اسی سازش کو قرار دیا ہے[۲]

## زہد و ورع

امام کسائی بعض واقعات کی روشنی میں زہد و ورع اور نیکی و شرافت کے نمونہ معلوم ہوتے ہیں ان کے شاگرد فراء کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ امام کسائی سے ملاقات کی دیکھا تو وہ رو رہے تھے میں نے رونے کی وجہ پوچھی تو امام کسائی نے کہا یہ بادشاہ یحیی ابن خالد مجھے بلاتا ہے کہ کسی چیز کے بارے میں سوال کرے اگر میں اس کا جواب دینے میں دیر کروں گا تو مجھ پر اس کا عتاب ہوگا اور اگر جواب دینے میں جلدی کروں تو مجھے غلطی کا خطرہ ہے میں نے کہا اے ابوالحسن آپ سے کون معترض ہوگا آپ تو کسائی ہیں۔ امام کسائی نے اپنی زبان پکڑ لی اور کہا اے اللہ تو اس زبان کو کاٹ۔ اگر میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو[۳]

امام کسائی گو دربار سے وابستہ تھے مگر ان کے اندر سوائے لباس کے کسی اور قسم کی تبدیلی نہیں آئی تھی، تبدیلی لباس پر بعض علمائے کوفہ نے تنقید کی اور کہا اے ابوالحسن یہ کون سا لباس ہے تو انھوں نے کہا:

| | |
|---|---|
| ادب من ادب السلطان لا | یہ دربار شاہی کا ایک شعار ہے جو دین کو |
| یثلم دینا ولا یحدث فی | نقصان نہیں پہنچاتا اور نہ بدعت ہے |

---

[۱] وفیات الاعیان ۲/۱۰۴ [۲] تاریخ بغداد ۱۲/۱۰۵

Clement Huart A History of Arabic Literature P.139

[۳] نزہۃ الالبار ص ۹۳

بدعة ولا یخرج عن سنة[1] اور نہ ہی سنت کے خلاف ہے۔

## تصانیف

امام کسائیؒ نے درس وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف میں بھی حصہ لیا اور علم قرأت ونحو سے متعلق متعدد کتابیں یادگار چھوڑی ہیں ان کی جن کتابوں کے نام معلوم ہوسکے وہ یہ ہیں۔

۱۔ کتاب معانی القرآن[2]: ابوعمر دوری فرماتے ہیں کہ یہ کتاب میں نے مسجد سواقیین بغداد میں ابومحل، طوال اور سلمہ وغیرہ کے سامنے پڑھی تھی اس کتاب کے بارے میں ابومحل فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| لو قرئ هذا الكتاب عشر مرات | یہ کتاب اگر دس مرتبہ بھی پڑھی جائے تب |
| لاحتاج من قرأه ان يقرأه[3] | بھی اس کے پڑھنے والے کو اس کی ضرورت باقی رہے گی۔ |

۲۔ مختصر فی النحو، ۳۔ کتاب الحدود فی النحو[4]، ۴۔ کتاب القرآت، ۵۔ کتاب العدد، ۶۔ کتاب النوادر الکبیر، ۷۔ کتاب النوادر الاوسط، ۸۔ کتاب النوادر الاصغر، ۹۔ کتاب الہجاء، ۱۰۔ کتاب مقطوع القرآن وموصلہ، ۱۱۔ کتاب المصادر، ۱۲۔ کتاب الحروف، ۱۳۔ کتاب الہیات، ۱۴۔ کتاب اشعار المعاناۃ، ۱۵۔ المتشابہ فی القرآن، ۱۶۔ کتاب اختلاف العدد[5]، ۱۷۔ کتاب الآثار[6]۔

۱۸۔ ما تلحن فیہ العوام: یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے اور اغلاط عام سے متعلق ہے اپنے موضوع کے لحاظ سے غالباً یہ سب سے قدیم ترین تصنیف ہے اس کا مخطوط کتب خانہ برلن میں ہے اسے بروکلمان (Brockelman) نے رسالہ (Zeitschr. F. Assyrial) کے شمارہ ۱۲ ۱۸۹۸ء میں ص ۲۹ تا ۴۶ پر شائع کیا تھا بعد ازاں عبدالعزیز میمنی کی تصحیح سے دوبارہ شائع ہوا جسے مجلہ الآشوریہ برلن نے شائع کیا تھا[7]

ان کتابوں کے علاوہ بھی مختلف کتابیں اور رسالے تھے لیکن ہم ان کی تفصیلات سے

---

[1] تاریخ بغداد: ۱۱/۴۱۱ [2] تہذیب التہذیب: ۷/۳۱۳

[3] تاریخ بغداد ۱۱/۴۱۱ [4] الاعلام ۴/۲۸۳ ونزہۃ الالبا رص ۸۷

[5] ایضاً وتہذیب والتہذیب ۷/۳۱۳ وغایۃ النہایہ ۱/۵۳۹ ومعرفۃ القرار ۱/۱۲۱

[6] تاریخ بغداد ۱۱/۴۰۴ [7] الاعلام ۴/۲۸۳ واردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۷/۲۶۵

محروم ہیں۔ بعد میں ان کی شخصیت اور فن پر بھی متعدد کتابیں لکھی گئیں۔

## وفات

امام کسائی نے ۱۸۹ھ/۸۰۵ء میں رے کے قریب قریہ انبویہ میں خلیفہ کے ساتھ خراسان جاتے ہوئے ستر سال کی عمر میں وفات پائی[۱] ان کا مزار قریہ ری میں ہے[۲]

اسی دن ان کے خالہ زاد بھائی اور مشہور فقیہہ امام محمد بن حسن شیبانی نے بھی یہیں وفات پائی اسی پر خلیفہ نے کہا تھا کہ ہم نے فقہ اور نحو دونوں کو ایک ہی دن شہر ری میں دفن کر دیا[۳]

صاحب تذکرۃ النحاۃ نے جائے وفات طوس لکھا ہے[۴] مگر یہ درست نہیں ہے سنہ وفات سے متعلق ۱۸۰ھ ۱۸۱ھ ۱۸۲ھ ۱۸۳ھ ۱۸۵ھ ۱۸۸ھ اور ۱۹۳ھ کے بھی اقوال ملتے ہیں مگر درست ۱۸۹ھ ہی ہے کیونکہ متعدد علماء وحفاظ اور اصحاب تذکرہ و تاریخ نے اسی کو درست قرار دیا ہے[۵]

علامہ شبلی کی ایک تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام کسائی کی نماز جنازہ ہارون رشید کے حکم سے شہزادہ مامون نے پڑھائی[۶]

چونکہ امام کسائی اور امام شیبانی دونوں نے ایک ہی دن انتقال کیا اس لیے مرثیہ نگاروں نے مشترکہ مرثیہ بھی لکھا ابو محمد یزیدی کے مرثیہ کے چند اشعار یہ ہیں:

تصرمت الدنیا فلیس خلود وما قد تری من بهجة ستبید

دنیا ختم ہو رہی ہے اس کو دوام و بقا نہیں، اور اس کی جو رنگینیاں بھی ہم دیکھ رہے ہیں وہ جلد ہی ختم ہونے والی ہیں۔

لکل امرئ کأس من الموت مترع وما ان لنا الا علیه ورود

ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، ہم سب کو اسی راہ سے گزرنا ہے۔

---

۱ غایۃ النہایۃ ۱/۵۳۹ ومعرفۃ القراء ۱/۱۲۸ وشرح شاطبی ص ۱۵

۲ مرآۃ الجنان ۱/۴۲۲ ۳ البدایہ والنہایہ ۱۰/۲۰۲

۴ تذکرۃ النحاۃ ص ۱۵ ۵ ایضاً

۶ المامون ص ۲۶

الم ترشیبا شاملا ینذر الصبی وان الشباب الغض لیس یعود

کیا ہم دیکھتے نہیں کہ بڑھاپا موت کی خبر دیتا ہے اور بھرپور جوانی کبھی لوٹ کر نہیں آتی

سنفنی کما افنی القرون التی خلت فکن مستعدا فالفناء عتید

جس طرح پچھلے لوگ فنا ہو گئے اسی طرح ہم بھی فنا ہو جائیں گے، پس اس کے لیے تیار رہو۔

اسیت علی قاضی القضاۃ محمد وفاضت عیونی والعیون جمود

ابھی میں نے قاضی القضاۃ محمدؐ کا ماتم کیا، اور میری آنکھوں نے ان پر آنسو بہائے ہیں یہاں تک کہ وہ خشک ہو گئے۔

وقلت اذا ما الخطب اشکل من لنا بایضاحہ یوما وانت فقید

اور میں نے کہا اب ہماری مشکلیں کون حل کرے گا، جب آپ نہیں رہے۔

واقلقنی موت الکسائی بعدہ وکادت بی الارض القضاء تمید

اس کے بعد کسائیؒ کی موت نے ہم کو رنجیدہ کیا، گویا یہ سلسلہ دراز ہوتا جا رہا ہے

واذھلنی عن کل عیش ولذۃ وارق عینی والعیون ھجود

اس غم نے زندگی کے ہر آرام اور ہر لذت کو بھلا دیا اور میری نیند اڑا دی

ھما عالمانا اودیا وتخرما فما لھما فی العالمین بدید

یہ دونوں ہمارے بڑے عالم تھے جو گذر گئے، دنیا میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا

فحزنی متی یخطر علی القلب خطرۃ بذکرھما حتی الممات جدید[1]

میری زندگی کے آخری لمحے تک جب بھی ان کی یاد آئے گی، اس سے میرا غم تازہ ہو جائے گا۔

## بشارتیں

ابو مسعل کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں امام کسائیؒ کی زیارت کی وہ چاند کی طرح روشن تھے میں نے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا تو امام کسائیؒ نے کہا قرآن پاک کی وجہ سے میری مغفرت فرما دی میں نے دریافت کیا امام حمزہؒ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تو انھوں نے کہا کہ وہ مقام علیین میں ایک روشن ستارے کی طرح ہیں[2]۔

حمدان سے مروی ہے کہ ایک شخص امام کسائیؒ کی غیبت کرتا تھا اسے منع کیا گیا بعد میں

---

[1] غایۃ النہایۃ ۱/۵۴۰ [2] تاریخ بغداد ۱۱/۴۱۴

اسے کہتے ہوئے سنا گیا کہ ایک رات میں نے امام کسائی کی زیارت کی ان کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا میں نے دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا تو انھوں نے کہا کہ میری مغفرت فرمائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب عطا کیا تو آپؐ نے پوچھا تم کسائی ہو میں نے کہا ہاں تو آپؐ نے فرمایا پڑھو میں نے کہا کیا پڑھوں تو انھوں نے فرمایا پڑھو "وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ" پھر اپنا دست مبارک میرے کاندھے پر رکھا اور فرمایا:

لاباهين بك الملائكة غداً[1] میں کل تمہارے ذریعہ فرشتوں پر فخر کروں گا

محمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن جریش سے سنا کہ انھوں نے امام کسائی کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا تو امام کسائی نے کہا قرآن کی وجہ سے میری مغفرت فرمادی[2]۔

---

[1] نزہۃ الالبا رص ۹۰، ۹۱ [2] نزہۃ الالبا رص ۹۴


مولانا سید جلال الدین عمری کی تصنیف
اسلام اور وحدتِ بنی آدم کا انگریزی ترجمہ

Islam & Unity of Mankind

ڈاکٹر محمد رفعت کے قلم سے جس میں درج ذیل مباحث کا احاطہ کیا گیا ہے۔

○ انسانی سماج میں انتشار کے اسباب کیا ہیں؟ ○ غلط اور محدود مقاصد زندگی کے نتائج کیا ہیں؟ ○ انسانی وحدت کی اسلامی بنیاد کیا ہے؟ ○ عالمی برادری کے تصور کی خامیاں کیا ہیں؟ ○ انسانی معاشرہ میں اتحاد و یکجہتی کس طرح پیدا ہو سکتی ہے؟ ○ انسانی تفوق و امتیاز کی اصل بنیاد کیا ہو سکتی ہے؟ ○ انسانی اجتماعیت کو کون سی چیزیں پارہ پارہ کرتی ہیں۔ یہ وہ اہم مباحث ہیں جو اس کتاب کا حصہ ہیں۔ انتشار و افتراق کے شکار اس سماج میں اس کتاب کی اشاعت انسانیت کی ایک اہم خدمت ہے۔ ہندی میں اس کا ترجمہ इस्लाम और मानव एकता کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ آفسٹ کی طباعت۔ قیمت صرف ۷/ روپے

پتہ: ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ

## تعارف وتبصرہ

# عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

صفحات ۱۲۸ قیمت ۳۰ روپئے۔ ناشر: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کو سیرت نبوی کے مطالعہ سے خاص شغف ہے جس کا اظہار اس موضوع پر ان کی متعدد تحریروں سے ہوتا ہے۔ زیر نظر کتاب سے پہلے اسی موضوع پر "عہدِ نبوی میں تنظیم حکومت وریاست" کے نام سے ان کی ایک ضخیم اور مفصل تصنیف منظر عام پر آچکی ہے۔ علمی حلقوں میں یہ قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی۔ اس تازہ ترین تصنیف میں مذکورہ بالا کتاب کے تمام ہی اہم نکات کو انتہائی جامعیت اور اختصار کے ساتھ سمویا گیا ہے۔ یہ کتاب ریاست نبوی کے تدریجی ارتقاء اس عہد کا شہری نظم ونسق، فوجی، مالی اور مذہبی نظام جیسے مباحث کا احاطہ کرتی ہے۔ اس ریاست کے نظم ونسق کو چلانے کے لیے ذمہ داریوں اور مناصب کی کتنی قسمیں تھیں۔ مختلف مناصب پر کن افراد کی تقرری ہوئی اُن کی تقرری کی نوعیت کیا تھی۔ ان تقرریوں میں کن اوصاف کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ ان کا تفصیلی بیان ہے۔ گورنروں، عاملین صدقات، افسران فوج، ائمہ مساجد، موذنین، معلمین، مبلغین، مفتیان نبوی غرض ایک دینی ریاست میں جتنے شعبے ہوسکتے ہیں ان کی مختلف سطحوں پر جن افراد سے ذمہ دارانہ مناصب پر کام لیے گئے ان کا ذکر ہے۔ ان کی تقرری کے باب میں دینی اوصاف شعبہ جاتی صلاحیتوں کے تجزیہ سے لے کر خونی قرابت اور قبائلی تعلق کے اعتبار سے بھی تجزیہ کیا گیا ہے جن سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ تقرریوں میں بنائے ترجیح کیا تھی؟

مصنف کی تمام تحریروں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کوئی بات بلا حوالہ اور سند نہیں کہتے۔ اس کتاب میں بھی پیش نظر موضوع پر احادیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں جو بھی مواد موجود ہے اسے حوالہ کے ساتھ جمع کردیا گیا ہے۔ ۱۲۸ صفحات کی اس کتاب میں ۲۷ صفحات حوالوں اور حواشی کے لیے وقف ہیں۔

یہ کتاب ان مصروف افراد کے لیے ایک قیمتی تحفہ سے کم نہیں جن کے پاس مفصل اور ضخیم کتابوں کے مطالعہ کے لیے وقت نہیں ہے۔

ادارۂ تحقیق وتصنیف نے اسلامیات کے مختلف شعبوں پر جو گراں قدر کتابیں شائع کی ہیں یہ کتاب ان میں ایک قابل قدر اضافہ ہے جس کے لیے مصنف کے ساتھ ساتھ ادارہ کے کارکنان بھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ (ڈاکٹر منور حسین فلاحی)


# مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی نے اپنی اردو اور انگریزی مطبوعات کے علاوہ دیگر اہم مکتبوں کی بلند پایہ علمی ودینی کتب کی فراہمی کا انتظام کیا ہے۔ تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ اسلام سے متعلق چند اہم کتب کی فہرست دی جا رہی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر کتب بھی یہاں سے فراہم کی جاسکتی ہیں۔ منیجر

| | | | |
|---|---|---|---|
| فی ظلال القرآن | اول ۱۲۰/- | تدوین حدیث (مولانا مناظر احسن گیلانی) | ۱۱۶/- |
| " | دوم ۸۵/- | تاریخ الخلفاء (امام سیوطی) | ۷۵/- |
| " | سوم ۱۰۰/- | مقدمہ ابن خلدون ۲ جلدیں | ۱۵۰/- |
| " | چہارم ۱۲۰/- | سیرت النبی (ابن ہشام) ۲ جلدیں | ۲۲۵/- |
| " | پارہ عم ۹۰/- | رحمۃ للعالمین | ۱۴۰/- |
| تفہیم القرآن مکمل ۶ جلدیں | ۶۸۰/- | سیرت سرور عالم مولانا مودودیؒ | اول دوم ۱۹۰/- |
| تلخیص تفہیم القرآن | ۱۷۵/- | الفاروق | ۳۰/- |
| ترجمۂ قرآن (مختصر حواشی) | ۱۱۰/- | حیات ابوحنیفہ (ابوزہرہ مصری) | ۷۵/- |
| تفسیر ابن کثیر مکمل | ۴۷۰/- | رسول رحمت (ابوالکلام آزاد) | ۱۲۵/- |
| بخاری شریف مکمل (مترجم) | ۵۴۰/- | انبیاء کرام " | ۴۰/- |
| مسلم شریف " " | ۳۹۰/- | محمد رسول اللہ (توفیق الحکیم) | ۵۰/- |
| ترمذی شریف دو جلدیں | ۲۶۰/- | تاریخ افکار وعلوم اسلامی اول ودوم | ۷۰/- |
| ابوداؤد شریف ۳ جلدیں | ۲۹۰/- | سیرت النبی (علامہ شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی) مکمل | ۳۰/- |
| سنن ابن ماجہ | ۱۹۰/- | | |
| سنن نسائی | ۲۹۰/- | | |

پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲